تراش

تراش

مُرتّبہ

عارف بٹالوی

ناشران

ملک سراج الدّین اینڈ سنز پبلشرز لاہور (۸)

باراول ـــــــــ ۵۰۰

ماہ جولائی ۱۹۶۳ء

قیمت ـــــــــ

طابع ـــــــــ ملک سراج الدین

مطبوعہ ـــــــــ اتحاد پریس۔لاہور

ـــــــــ مقام اشاعت: ـــــــــ

ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور

تراش

کوہ سخن تراش کے لایا ہوں میں ندیم
یہ کام کوہ کنی سے کسی طور کم نہ تھا

عارف عبد المتین

اِنتساب

جس کی چیز اُس کی نذر

نیاز مند: عارف بٹالوی

کُھلتا کسی پہ کیوں مِرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رُسوا کیا مجھے

غالب

گیسُو

بِکھری ہوئی ہو زُلف بھی اُس چشمِ مست پر

ہلکا سا ابر بھی سرِ میخانہ چاہیے

تحریکِ تراش

۱۹۴۴ء کا ذکر ہے کہ میں اپنے اُستاد حضرت بیخود دہلوی مرحوم ومغفور کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے اور پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ عارف میاں! تم میں وہ جوہر موجود ہیں جن کی تکمیل میں چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ خادم حکم کا منتظر ہے۔ ارشاد ہوا کہ میرے ذہن میں ایک مدت سے ایک خاکہ موجود ہے۔ محبوب کے انگ انگ کو عنوان دے کر جس میں اوصاف محبوب بھی شامل رہیں ایک حسین وجمیل انوکھے انداز کا انتخاب مرتب کر ڈالو۔ یہ ادب کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ حکم سر آنکھوں پہ لیکن آہ کو چاہیئے اِک عمر اثر ہونے تک۔ فرمایا اسی لیئے تو اس مہم کے لیئے تمہیں انتخاب کیا ہے۔ ہم چراغِ سحری ہیں، نہ جانے کب کوئی جھونکا خاموش کر دے۔ میں اسی روز اُردو بازار گیا اور جس قدر شعراء حضرات کے دیوان میسر آئے خرید لیئے۔ کام شروع کر دیا۔ پھر ایک شام جامع مسجد

دہلی کے سامنے حضرت نواب سائل دہلوی مرحوم و مغفور سے ملاقات ہوئی
آپ حسب معمول رکشا میں سوار تھے۔ نورانی چہرہ کندن کی طرح دمک رہا تھا۔
میں نے قریب جاکر سلام عرض کیا۔ آپ نے از رہ شفقت دعا دی اور پوچھا
کہ آجکل کیا لکھ رہے ہو؟ عرض کیا دیوانوں کے ہجوم میں دیوانہ ہو رہا ہوں۔
اور پھر میں نے تفصیل سے انتخاب کے متعلق عرض کیا۔ وہ اس کوشش کی
ابتدا سے بہت خوش ہوئے اور مسکرا کر فرمایا کہ اس کا نام کیا تجویز کیا ہے؟
میں نے عرض کیا کہ نام ایک معمّہ بنکر رہگیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا نام تراش
بہت اچھا رہے گا۔ بشرطیکہ تم اس ہیرے کو تراشنے میں کامیاب ہو گئے۔
قبلہ حضور میں اس کی پوری کوشش کرونگا۔ میں نے رخصت ہوتے ہوئے
عرض کیا۔ پندرہ برس تک میں اس انتخاب کے انتخاب میں مسلسل مصروف
رہا ہوں اور آج جبکہ یہ کوشش کسی حد تک پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی ہے تو
میری دنیا میں نہ میرے استاد گرامی ہیں اور نہ ہی مفید مشورے دینے
والے حضرت نواب سائل مرحوم۔ اے کاش وہ جلیل القدر ہستیاں
زندہ ہوتیں اور میں اپنی کوشش ان کے قدموں میں رکھ سکتا۔

عقیدت مند

دلفگار

عارف بٹالوی

عکسِ جمال

تُو ایک تھا میرے اشعار میں ہزار ہُوا
اِس اِک چراغ سے کتنے چراغ جل اُٹھے

فراقؔ

پوچھتے ہیں وہ کہ عارف کون ہے؟

عارف صاحب میرے بہت پرانے دوست ہیں۔ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہیں، ادیب ہیں، انشا پرداز ہیں، شاعر ہیں، مکالمہ نویس ہیں، ڈرامہ نگار ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بہت اچھے دوست ہیں اور بہت اچھے انسان ہیں۔

عارف صاحب نے "تراش" لکھ کر اردو ادب میں ایک نئی اور دلکش چیز کی تخلیق کی ہے۔ اس کی اولیت کا سہرا ان کے سر ہے۔ دوسرے ان کی تقلید کریں گے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عارف صاحب کو مختلف عنوانات پہ مختلف شعراء کے اشعار تلاش کرنے اور انہیں یکجا کرنے میں کتنی غیر معمولی محنت سے کام لینا پڑا ہوگا۔ لیکن محنت ان کی "ہابی" ہے اور اس کا شاہکار یہ روح پرور انتخاب اشعار ہے۔

رئیس احمد جعفری

تقسیمِ حسن

کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے
غالب

نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
غالب

جس جا نسیم شانہ کشِ زلفِ یار ہے
نافہ دماغ آہوئے دشتِ تتار ہے
غالب

اُن کی زلفِ مشکبو کی بو چُرا کر لائی ہے
ورنہ کیوں آتی ہے اِتراتی ہوئی کالی گھٹا
اختر شیرانی

گیسو بکھرے ہیں میرے دوش پہ کیسے کیسے
میری آنکھوں میں ہیں آباد شبستاں کیا کیا
اختر شیرانی

نکہتِ گیسو سے نیندوں کو بسا دے آ کر
میری جاگی ہوئی راتوں کو سُلا دے آ کر
اختر شیرانی

کسی کی زُلفِ پریشاں کا سایہ رقصاں ہے
فضا میں بال فشاں ابرِ نو بہار نہیں

اختر شیرانی

پھر ہم آغوشی کے موسم نے بکھیرے گیسُو
پھر فضائیں نظر آتی ہیں سحاب آلوُدہ

اختر شیرانی

بھلا کیونکر نہ ہوں راتوں کو نیندیں بیقرار اُسکی
کبھی لہرا چکی ہو جس پہ زلفِ مشکبار اُسکی

اختر شیرانی

اُس چشمِ سیہ مست پہ گیسُو ہیں پریشاں،
میخانے پہ گھنگھور گھٹا کھیل رہی ہے

اختر شیرانی

وہ زُلفِ تیرہ کہ دن ہو تو رات ہو جائے
سیاہ آنکھوں میں کُل کائنات ہو جائے

اختر شیرانی

اِک بجھرِ یا میں پہ لہرا رہی ہے ناگن
یا اُس کی زلفِ مشکیں سینہ پہ آ رہی ہے

اختر شیرانی

عمر بھر کمبخت کو پھر نیند آسکتی نہیں
جسکی آنکھوں پہ تیری زلفیں پریشاں ہوگئیں

اختر شیرانی

تفسیرِ آیتِ رُخ و کاکل جو کیجئے
آنکھیں جھپکنے لگتی ہیں لیل و نہار کی

نظر حیدرآبادی

یہ عارضِ پُرنور یہ زُلفیں ہیں پریشاں
کمبخت نِکل گمرہی شام و سحر سے

اصغر گونڈوی

جی چاہتا ہے گیسوئے جاناں کو دیکھ کر
کرلوں یہیں قیام کہ دل کو سکوں نہیں

عبدالحمید عدم

زُلفیں بکھیر دے کہ زمانے کو علم ہو
ظلمت حسین تر ہے شبِ ماہ تاب سے

عدم

کافر بنوں گا کفر کا ساماں تو کیجئے
پہلے گھنیری زلفِ پریشاں تو کیجئے

جوش ملیح آبادی

پھر زُلف یوں کھُلی کہ دل و دیدۂ جہاں
زنجیرِ رنگ و بُو میں گرفتار ہو گیا
جوشؔ

موجِ نسیمِ صبح کے قُربان جائیے
آئی ہے بُوئے زُلفِ معنبر لئے ہوئے
اصغرؔ گونڈوی

اُس نے گیسُوئے پریشاں جو اُٹھائے رُخ سے
دامنِ شب سے نکل آئی سحر کی صوُرت
فرّخؔ امرتسری

اِک زمانے کو کر دیا برہم
زلف کا پیچ و تاب دیکھ لیا
بہزادؔ لکھنوی

یہ کھُلے کھُلے سے گیسو یہ اُڑی اُڑی سی رنگت
تری صبح کہہ رہی ہے تری رات کا فسانہ
احسان دانش

تیرے دُفعی گیسو سُونگ کر کہتے ہیں افیُونی
یہ کیفیت نہ ہوگی نشۂ سرطاک سے پیدا
آتشؔ

رُخ پہ اُس زلف کے آنے سے ہوا دلکو یقیں
چاندنی سے ہے بڑا مرتبہ اندھیاری کا
آتش

زُلف زیبا ہے قریبِ رُخِ جاناں ہونا
گنج کا سانپ کو لازم ہے نگہباں ہونا
آتش

اُلجھ کے سینے کی پیشانیوں سے گرتے ہوئے
طویل زلفوں کے تاریک آبشار کے دام
ضمیر جعفری

کوئی اُڑتی ہوئی پریاں پھنسانے کا ارادہ ہے
ہوا پر جال پھیلا ہے کیوں زلفِ پریشاں کا
شیخ عبدالقادر

تشبیہ نئی دُوں ترے گیسوئے رسا کو
اُترا ہوا چِلّہ کہوں ابرُو کی کماں کا
آتش

نہ بولا ہے نہ بولے گا کدھی کو
زمیں کی زلف بولا ہے ندی کو
میاں فضلی

کون اُٹھا ہے زُلف بکھرائے
دُور تک نرم سائے لہرائے

اختر ہوشیارپوری

غم دوراں ادھر نہیں آتا
سایۂ زلف میں قیام کرو

اختر ہوشیارپوری

بادِ بہار بیقرار رُوحِ بہار بیقرار
گیسوؤں کی لپٹ تو دیکھ مہکی ہوئی ہنسی تو دیکھ

فراق گورکھپوری

یہ زُلفیں تیرے رُخ پہ بکھری ہوئی ہیں
کہ ابرِ سیہ گوں محیطِ قمر ہے

شاطر

یہ کس نے آتے ہی زُلفیں بکھیر لیں رُخ پر
یہ کیسی دیکھی اُجالے میں تیرگی ہیں نے

نسیم ناگپوری

یُونہی لہرانے دو رُخ پر ذرا زلفِ پریشاں کو
اگر بدلے بدلنے دو نظامِ بزمِ امکاں کو

بہزاد

لہر میں چوٹی کے تیرے ڈر کے مارے کانپ کانپ
چونک چونک اٹھا ہوں میں راتوں کو کہہ کر سانپ سانپ
انشا

کوٹھے پہ چڑھ کے رنڈی کرتی ہے تو جو کنگھی
میں پیچ خوب سمجھی یہ بھی ہے جال تیرا
جان صاحب

وہ زلفیں دوش پر بکھری ہوئی ہیں
جہانِ آرزو تھرّا رہا ہے
جگر مرادآبادی

وہ آئے بال کھولے جھومتے محراب سے در میں
گھٹا پچھم سے اٹھی برسنے کو ہے اُتر میں
آغا شاطر

شب قدر اس لئے محبوب ٹھہری
برنگِ زلف کالی بھٹ سیاہ ہے
حافظ شیرازی

خمِ کاکل میں دامِ کفر و دیں ہے
یہ اک لٹکا تیرا ادنیٰ ترین ہے
حافظ شیرازی

تیری ہی زلفِ ناز کا اب تک اسیر ہوں
یعنی کسی کے دام میں آیا نہیں ہنوز
جوشؔ

سُنتے ہیں کہ رفتہ رفتہ وہ زُلف
دیوانہ بنا کے چھوڑتی ہے
فراقؔ

ناگن کوئی بل کھاتی ہے پیہم کہ ہوا سے
وہ زُلف شکن زیرِ شکن کھیل رہی ہے
فراقؔ

آبلے پھُوٹ کے خاروں میں پڑے ہیں گہر
پھر سرِ دشت تیری کاکُل تر یاد آئی
صابرؔ

سوگواروں میں مرے حُسنِ ادا بھی ہو شریک
آئنہ دیکھ کے زلفوں کو پریشاں کرنا
بیخودؔ دہلوی

ناپ تو لیجے اپنے گیسُو کی درازی قد سے آپ
اب تو یہ فتنہ قیامت کے برابر ہو گیا
بیخودؔ دہلوی

دیکھ آشفتگیٔ دہر نہ دیکھا ہو اگر
گیسوئے شاہدِ رعنا کا پریشاں ہونا

فراق

بوندیوں کے ساز پہ رقصاں وہ ساری کائنات
چاندنی ہیں پُرفشاں وہ کاکلِ ابرِ سیاہ

جلال ملیح آبادی

درازی زلف کی ہے روز افزوں
لہو پیتی ہے یہ ناگن کسی کا

طبا طبائی

دوش پر بکھرے جو گیسو یہ بھڑک کر رہ گیا
دل اسیرِ دامِ زلفِ پُرشکن ثابت ہوا

طبا طبائی

یوں لہراتی ہیں اُبھرے سینے پہ لٹیں
جیسے کہسار پہ گھٹاؤں کا دُھواں

فراق

ہے زلف کا پیچ و تاب کھاتی ہوئی رات
اس کے جوبن میں گنگناتی ہوئی رات

فراق

راتیں برکھا کی تھرتھراتی ہیں کہ زلف
تقدیریں پیچ و تاب کھاتی ہیں کہ زلف
پرچھائیاں کانپ کانپ جائیں سب جیسے
متوالی گھٹائیں گنگناتی ہیں کہ زلف

فراقؔ

بھیگی زلفوں کے جگمگاتے قطرے
آکاش سے نیلگوں شرارے پھوٹے
ہے سرو رواں میں یہ چراغاں کا سماں
یا رات کی گھاٹیوں میں جگنو چمکے

فراقؔ

زلف پر ٹیکے کی لڑیاں دعوت جی کے کھونے کی
جس طرح کسوٹی پر جھلکیں زرتار لکیریں سونے کی

جوشؔ

یوں بھی آ سے دل کوئی دھڑکتا ہے
کاکلیں ان کی ہو گئیں برہم

جوشؔ

★

گھنیری زلفوں کا سایہ پھیلا دے رُوح کو نیند آ رہی ہے
بڑا پُر آشوب ہے زمانہ سکوں کا عالم کہیں کہیں ہے
شوکت واسطی

بکھر جائے رُخِ زیبا پہ گیسو!
نظارہ دیکھئے شام و سحر کا
سحر

آپ زُلفوں کو پریشاں نہ کریں
دیکھئے رات ہوئی جاتی ہے
ماہر

بکھیر دے جو وہ زُلفوں کو اپنے مکھڑے پر
تو مارے شرم کے آئی ہوئی گھٹا پھر جائے
مصحفی

بڑی روشنی بخشتے ہیں نظر کو
ترے گیسوؤں کے مقدّس اندھیرے
عدم

ذرا گیسوؤں کو جھٹک دیجئے
ستاروں کی برسات ہو جائے گی
عدم

میری جوانی کے گرم لمحوں پہ ڈال دے گیسوؤں کا سایہ
یہ دوپہر کچھ تو معتدل ہو تمام ماحول جل رہا ہے

عدمؔ

ہم بھی آزاد ہی رہے ہوتے دوست
تیرے گیسُو نہ کاش لہراتے

شوکتؔ واسطی

دیکھ کر اُلجھنیں مقدّر کی
یاد آتے ہیں تیری زلف کے خم

اعجاز ساجد

تیری زُلفوں کو چھیڑتی تھی صبا
خُود پریشان ہو گئی ہوگی

سیفؔ

ذرا چہرے سے زلفوں کو ہٹا لو
یہ کیسی شام ہوتی جا رہی ہے

سیفؔ

چوری کہیں کھُلے نہ نسیمِ بہار کی
خوشبو اُڑا کے لائی ہے گیسوئے یار کی

آغا حشرؔ

کھُلے کسی پہ نہ اندازِ جنبشِ گیسو!
چھُوئے ہوا تو نہ جانے کدھر سنک جائے
فراقؔ

ہم نے مانا کہ ڈس نہیں سکتے
کالے سے جان بھی ہیں زہریلے
عارفؔ بٹالوی

ہو جنوں ہمارا اس سے جو الگ تو زلف کیا ہے
کوئی حسرتِ پریشاں کسی سوگ کا لبادہ
شوکتؔ واسطی

دونوں طرف مانگ کے چھڑکی ہوئی افشاں
جس طرح کہ چمکیں شبِ تاریک میں تارے
بہزادؔ

دیکھ کر آئینہ جب مانگ نکالی اُس نے
کوند کر مجھ پہ گری زلفِ سیاہ فام سی برق
بیخودؔ دہلوی

بکھرے رُخِ روشن پہ جو ہیں گیسوئے شب رنگ
نکلا ہے ترے حُسنِ دل آرا کا عجب رنگ
حسرتؔ موہانی

ہوتی وہ زلفِ پریشاں جو جسمِ سیمیں پر
کنارِ ماہ میں غلطاں شبِ سیاہ رہی
عدؔم

یُوں بکھرتی ہیں کاکلیں اُن کی
جیسے راتیں جوان ہوتی ہیں
عدؔم

کبھی کبھی تو کسی حسیں کے دراز اور تابناک گیسُو
کچھ اِس طرح منتشر ہوئے ہیں بہار کی رات بِک گئے ہیں
عدؔم

سنوری جو رُخ پہ زلف سحر ہو کے رہ گئی
بکھری تو انتشارِ نظر ہو کے رہ گئی
بیاؔمی نقوی

یہ تیرگی یہ ابتری یہ نکہتیں یہ مستیاں!
کہ کھل پڑی ہو جس طرح وہ زلف عنبریں کہیں
فراؔق

غمِ زمانہ! تیری ظلمتیں ہی کیا کم تھیں؟
کہ بڑھ چلے ہیں اب ان گیسوؤں کے سائے بھی
حفیظ ہوشیارپوری

نیند سی آ چلی ہے کچھ ہر دلِ بے قرار کو
دیکھ یہ رنگ بیخودی گیسوئے تابدار دیکھ
فراقؔ

خمِ گیسو میں تیرے دستِ نسیم آن پڑا
کٹ گیا دیکھ کے دل ہو کے دو نیم آن پڑا
حافظؔ

بنفشہ طرّۂ پُر خم سنوارنے جو اٹھی
صبا نے زلف کی لا بحث درمیاں ڈالی
حافظؔ

سُونگھے ہوئے زمانہ ہوا زلفِ یار کو
ابتک وہی مشام میں مہکی ہوئی ہے بُو
حافظؔ

ماہِ خورشید تھا نہ زلفوں سے یوں روشن حافظؔ
ابر جس طرح جھلکتا رُخِ مہتاب رکھے
حافظؔ

ایسا نہ ہو کہ حشر تلک دن نہ ہو سکے
للہ اپنی زلف پریشان نہ کیجئے
عزمؔ اعظمی

وہ زلفِ خم بہ خم شمیم مست سے دھواں دھواں
وہ رُخ چمن چمن بہارِ جاوداں لئے ہوئے
فراق

پھر تری زلفیں جنوں کے باندھ کر کچھ سلسلے
صورتِ شیرازۂ ہستی پریشاں ہو گئیں
فراق

خیالِ گیسوئے جاناں کی وسعتیں مت پوچھ
کہ جیسے پھیلتا جاتا ہو شام کا سایہ
فراق

قیامت میں میری تربت پہ ہو کر کون گذرا تھا
جگا کر کھینچ لائی گیسوئے مشکیں کی بو مجھ کو
بیخود دہلوی

خلافِ وعدہ کوئی آگیا گھر ہو گیا روشن!
ہوئی تقسیم زلفوں میں سیاہی شامِ ہجراں کی
بیخود

کھول کر زلفیں میری تربت پہ پلٹا کس نے سر
عالمِ بالا کی سب روحیں پریشاں ہو گئیں
بیخود

اُس زلف پہ پھبتی شبِ دیجور کی سُوجھی
اندھے کو اندھیرے میں بڑی دُور کی سُوجھی
جُرأت

تجھے تو عشق پیچاں ایسے بَل کھانے نہ آتے تھے
بتا کیا تجھ پہ لہرائی ہے زلفِ عطر بار اُسکی
اختر شیرانی

جس وقت اُس کی زلفِ گرہ گیر کھُل پڑی
سودائیوں کے پاؤں کی زنجیر کھُل پڑی
ظفرؔ

شبِ فراق ہے اور تیری زُلف کی باتیں
یقین ہی نہیں آتا کہ صبح بھی ہو گی
صادق نسیمؔ

ہر ایک چیز پہ عالم کی برہمی سی ہے
خدا کے واسطے گیسُو سنوار اے ساقی
تابشؔ

یہ کھُلے کھُلے سے گیسُو انہیں لاکھ تم سنوارو
میرے ہاتھ سے سنورتے تو کچھ اور بات ہوتی
خاور رَاجپودی

وہ عطر جو حمل ہے تیری کاکل کی ہوا میں
پھولوں میں ملے گا نہ بہاروں میں ملے گا
عدمؔ

بکھیر گیسوئے مشکیں کچھ اس تدبر سے
کہ صبح حشر بھی شام سیاہ بن جائے
عدمؔ

صبا نے چھیڑ کے تیری حسین زلفوں کو
بہارِ لالہ و گل کو نکھار ڈالا ہے
عدمؔ

اُس نے بکھیر دی ہیں زلفیں عدمؔ جو اپنی
بوندیں سی پڑ رہی ہیں بادل سے چھا رہے ہیں
عدمؔ

کیوں تیرے گیسوؤں کو پروانے
وادیٔ کہکشاں سمجھتے ہیں
عدمؔ

کھولوں گا اس طرح تری زلفِ دراز کو
آئے گی چل کے بادِ بہاری نماز کو
عدمؔ

پشیمانی

کسی کا عکسِ جبیں ساغرِ شراب میں ہے
کہ آفتاب کی تصویر آفتاب میں ہے

نظر جھکائے عروسِ فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں اُفق کی لَو تھرتھرا رہی ہے

غالب / جگر

وُہ عارضِ شگفتہ باغِ جنّت
وُہ پیشانیِ صاف صبحِ سعادت

جگر مراد آبادی

ذرا بھی جس پہ پڑا پرتوِ جبینِ نیاز
وہ ذرّہ رشکِ مہ و آفتاب ہو کے رہا

بہزاد لکھنوی

عرق آلود جبیں دیکھ کے دل ڈوب گیا
شبنمِ باغ سے طوفاں نہ ہوا تھا سو نہ ہوا

آتش

ہے شعلہ شعلہ جبیں اور دھواں دھواں گیسو
یہ آگ کتنی مقدّس ہے ربِ حسن و شباب

منظور عارف

ہزار ہزار چاند جبیں پر چمک چمک اُٹھے
تجلّیوں میں سراپا کو وہ چھپا کے چلے

جلیل

فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے
اصغر

تِلک جبینِ منوّرہ جو اُبھارا ہے
بلندیوں پہ چمکتا ہوا ستارا ہے
عارف بٹالوی

وہی جبینِ نور جس پر پڑ رہی ہے چوٹ سی
خود اپنی جگمگاہٹوں کی کہکشاں لئے ہوئے
فراقؔ

وہ تیور ہیں کہ برقِ طور سے بھی ہوش اُڑ جائیں
کہاں کی بجلیاں ہیں ماہ پاروں کی جبینوں میں
فراقؔ

وہ شاید غیر سے لڑ کر میرے پاس آئے ہیں ورنہ
جبینِ ناز ڈوبی اور کچھ ہوتی پسینوں میں
فراقؔ

ماتھے پہ تیرے صبحِ چمن کھیل رہی ہے
آنکھوں میں محبّت کی کرن کھیل رہی ہے
فراقؔ

سرکتی جاتی ہیں ماتھے سے گیسوؤں کی لٹیں
طلوعِ ماہِ جبیں ہے کہ چھٹ رہا ہے گہن
فراقؔ

تھا عرق آلودہ پیشانی کا عکس
خون کب ٹپکا تری شمشیر سے
وحیدؔ

جبیں ہم جس جگہ رکھ دیں گے اِک کعبہ بنا لیں گے
سلامت ذوقِ سجدہ، آپ ہی کا آستاں کیوں ہو
سیمابؔ

بادل کی تہوں سے مہِ کامل نِکلا
امرت میں دُھلی جبیں سے گیسُو
فراقؔ

جگمگاہٹ یہ جبیں کی ہے کہ پَو پھٹتی ہے
مسکراہٹ ہے تری صبحِ چمن کیا کہنا
فراقؔ

شکن جب سے دیکھی ہے اُن کی جبیں پر
عجب صدمہ ہے جانِ اندوہ گیں پر
حسرتؔ موہانی

اللہ اللہ وہ پیشانیِ سیمیں کا جمال
رہ گئی جم کے ستاروں کی نظر آ کے رات

کیا وصفِ جبیں میں کہوں اس ماہ جبیں کا
اک تختہ سراسر ہے وہ فردوس بریں کا

ظفر

حریم کعبہ بنا دی وہ سرزمیں میں نے
ترے خیال میں رکھ دی جہاں جبیں میں نے

علی اختر

جبیں تھی کہ آتش کدہ بجھ رہا تھا
تیرے گیسوؤں کا سنہرا تبسم

عارف بٹالوی

اَبرُو

کعبے کی بنیاد اِک محراب میں رکھی گئی
میکدہ کھولا گیا زیرِ خمِ ابروئے دوست

ابرو سے ہے کیا اس نگہِ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر مگر ہے اس کی کماں اور
غالبؔ

کشیدہ ابرُو ہلالِ سیاہ کہیئے جنہیں
کئی دلوں کا مآلِ سیاہ کہیئے جنہیں
اخترؔ شیرانی

ہلالِ عید یہ روئے فلک ہے
کہ قوسِ سیم ابروئے فلک ہے
اخترؔ شیرانی

بچوں کس طرح مَیں اے دردؔ اُسکی تیغِ ابرُو سے
کہ جس کے سامنے اک کوئی جانبر ہو نہیں سکتا
میر دردؔ

ہم جانتے نہیں ہیں اے دردؔ کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے ہے ابرُو اودھر نماز کرنا
میر دردؔ

لیتے ہیں مژہ سے کام ابرُو
یہ تیر ملے نہ گو کماں سے
میر دردؔ

بجا کرتے ہیں عاشق طاق ابرُو کی پرستاری
یہی محرابِ دیر و کعبہ میں بھی ہم نے خم پایا
آتش

غنیمت جان اے دل جنبشِ ابرُوئے قاتل کو
بڑی معراج ہے تلوار سے مرنا سپاہی کا
آتش

رُوئے مژگاں ہے بجا اس طاقِ ابرو کی طرف
چاہیئے دستِ دُعا کو سامنا محراب کا
آتش

مژگاں سے گر نچے دل ابرو کرے ہے ٹکڑے
یہ بات میں نے کہہ کہ جب اس سے داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی
تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی
کامل (ق)

جہاں اہلِ دِل آگیا کوئی زد پر
کھنچے تیر اور جُھک پڑیں دو کمانیں
حفیظ

عقل دیوانی ہوئی زلفِ مسلسل ہے کدھر
دل چلا ہاتھ سے ابروئے خمدار کہاں

حافظ شیرازی

ابرو کی لچک ہے کہ لپک جاتی ہے شمشیر
گیسو کی لٹک ہے کہ گھٹائیں ہیں خراماں

فراق

ٹھہرے ہوئے قلب و جاں ابروئے دوست الاماں
کھنچتی ہوئی کڑی کماں جیسے لچک لچک سی جائے

فراق

انتساب خمِ محراب و خمِ تیغ نہ پوچھ
ہم نے مقتل میں خدا جلوہ نما دیکھا ہے

ولی

اُس نے ابرو کے اشارے سے لگایا دل پہ تیر
مجھ کو حیرت ہو گئی خنجر میں پیکاں دیکھ کر

بیخود دہلوی

کارفرمائے دو عالم ہیں اشارے دوست کے
دونوں عالم ہیں خراب جنبشِ ابروئے دوست

سیماب

ہے عالمِ صبحِ گُل کا جلوہ گاہِ ناز میں لیکن
لچک جاتی ہے کچھ رہ رہ کے ابرُو کی کماں اب تک
فراقؔ

ٹکڑے ٹکڑے ہے جگر دیکھ کے ابرُو کی لچک
کب خطا ہوتے ہیں تیر ایسے کماں داروں کے
فراقؔ

عبادت گاہِ جانِ عاشقاں کا پوچھنا ہی کیا
خمِ ابروئے جاناں کو خمِ محراب کہتے ہیں
جگرؔ

اے عدمؔ چاند سی بھنویں اُن کی
وقتِ جنبش کمان ہوتی ہیں
عدمؔ

اس مہ جبیں نے جس دم دکھلائے تیغِ ابرُو
دل میں ہلال کیا کیا اپنے کٹے فلک پر
ظفرؔ

ہے شکن یوں بھنووں کے بیچ عدمؔ
حرفِ بین السطور بہم ہیں
عدمؔ

مژگاں

اُمڈ کر آئے ہیں آنسو انھی پلکوں سے روکا ہے
تماشا ہے کہ ہم نے بال سے باندھا ہے دریا کو

دل سے نکلا پہ نکلا دل سے!
ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
غالب

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا
غالب

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
غالب

بتاؤ اس مژہ کو دیکھ کر ہو مجھ کو قرار
یہ نیش ہو رگِ جاں میں فرو تو کیونکر ہو
غالب

کروٹوں میں چبھ رہی ہے بے مژہ نیچی کی دھار
جنبشِ مژگاں سے دامن رات کا ہے تار تار
جوش

نگہِ یاس و آہِ عاشقاں و نالۂ بلبل!
معاذ اللہ کتنی صورتیں ہیں اُن کے پیکاں کی
اصغر

کھٹک پہلو میں ہے لیکن سمجھ میں یہ نہیں آتا
نظر کا تیر کیوں کر دل میں پیکاں چھوڑ سکتا ہے
بیخود دہلوی

یادِ مژگاں میں تڑپتا ہوں نہیں آتی ہے نیند
میں تو سنتا تھا کہ سُولی پر بھی آجاتی ہے نیند
بیخود

پلکوں کی جھپٹ میں مسکراہٹ
شعلے کی خفیف تھرتھراہٹ
جوش

کیا کہیئے جاں نوازیٔ پیکانِ یار کو
سیراب کر دیا ہے دل منّت گذار کو
اصغر

یہ تیرِ ناز ہیں تو شوق سے چلائے جا
خیالِ خاطرِ اہلِ نیاز رہنے دے
جگر

ٹوٹ کر سینہ و دل یار کا پیکاں نکلا
جان نکلی مرے اللہ کہ ارماں نکلا
جگر

دو تیر اُن کے آتے تھے جس دم نگاہ اُٹھی تھی
اِک قلبِ مضطرب تک اِک جانِ ناتواں تک

بہزادؔ

دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشمِ راستی
اے بے خبر بُرا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

میر دردؔ

گل سے جو سامنا تیرا رخسار نے کیا
مژگاں نے وہ کیا کہ جو کچھ خار نے کیا

آتشؔ

زخمِ نہاں کھل اُٹھے نوکِ مژہ کی چھیڑ سے
مسکرا کر آج یہ کلیاں گلستاں ہو گئیں

فراقؔ

تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اِک دل میں چبھ گئی
مانا کہ اس کے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا

حالیؔ

نہ پوچھو لذتِ فرطِ جراحت پارۂ دل کی
انہیں رقصِ از خود رفتگی ہے نوکِ پیکاں پر

ماہرؔ

پیوست دل میں جب ترا تیرِ نظر ہوا
کس کس ادا سے شکوۂ دردِ جگر ہوا
جگرؔ

تھا کھیل سا پہلے عشق لیکن جو کھلی آنکھیں
ڈوبا ہوا رگ رگ میں وہ تیرِ نظر دیکھا
جگرؔ

دل کی کیا تاب کہ پہنچے صفِ مژگاں کے قریب
جلوے خود لوٹ رہے ہیں رخِ تاباں کے قریب
جگرؔ

تھم تھم کے دل سے چھیڑ ہو تیرِ نگاہِ یار
کیا لطف جب ہمیں نہ رہے اختیار میں
جگرؔ

ڈوب کر دل میں وہ نظریں تیر و پیکاں ہو گئیں
رہ گئیں جو دل کے باہر نشترِ جاں ہو گئیں
جگرؔ

بیٹھا ہوں اپنے قتل کا ساماں کئے ہوئے
یعنی خیالِ ناوکِ مژگاں کئے ہوئے
آرزوؔ

ہے خواب کے حوالے سب انتظامِ جلوت
چلمن گرا کے پلکیں پردہ اُٹھا رہی ہیں

آرزو لکھنوی

نہ ان مژگاں کی کوتاہی پہ جانا
اُتر جاتی ہیں یہ پھانسیں جگر تک

آرزو

گردشِ چشم ہے کہ گردشِ دہر
پلکیں جھکنے لگیں کہ دھوپ ڈھلی

ندیم قاسمی

یہ مستانہ آنکھیں یہ لانبی سی پلکیں
مسلح سواروں کے نیزے ہیں گویا

خوشحال خاں

نگاہ — نظر

پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لئے ہوئے

ابھرا ہوا نقاب میں ہے اس کے ایک تار
مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
غالبؔ

اِک نظر دیکھا جسے مدہوش و بیخود کر دیا
تیری کیف آگیں نگاہوں میں عجب تاثیر ہے
شکیلؔ بدایونی

تم نگاہیں چرا چرا لیتے
رنگِ محفل بدل بدل جاتا
شکیلؔ

یہ کس نے پیار کی نظروں سے دیکھا
کہ میرے دل کی دُنیا پھر جواں ہے
اخترؔ شیرانی

وہ دیکھنا کسی کا کنکھیوں سے بار بار
وہ بار بار اس کا اثر کچھ نہ پوچھئے
اخترؔ شیرانی

ہم اس نگاہِ ناز کو سمجھے تھے نیشتر
تم نے تو مسکرا کے رگِ جاں بنا دیا
اصغرؔ

نظم

کچھ آج اُس نے ایسی نگاہوں سے دیکھا
میں سمجھا میرے راز داں اور بھی ہیں

سیماب

وہ ایک تیرِ خراش آگیں جو دل سے نکلے گا آہ بن کر
اُنہی کے سینے میں چبھ نہ جائے کہیں اُنہی کی نگاہ بن کر

شکیل

کیا چیز تھی کیا چیز تھی ظالم کی نظر بھی
اُف کر کے وہیں بیٹھ گیا دردِ جگر بھی

جگر

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی
دونوں کو اِک ادا سے رضامند کر گئی

غالب

آہ وہ اُس کی نگاہِ مے فروش
جب کبھی اُٹھی مستیاں برسا گئی

اختر شیرانی

نہ دیکھو اس نگاہِ شرمگیں سے
قیامت اُٹھنے والی ہے یہیں سے

اختر شیرانی

تقدیر کس کے خرمنِ ہستی کی کھل گئی
طوفان بجلیوں کا تمہاری نظر میں ہے
اصغر

نگاہِ ناز کی کیفیتیں ہیں دل میں وہی
کہ رُوح تن میں ہو شیشہ میں جسطرح ہو پری
اصغر

کس نظر سے آج وہ دیکھا کیا
دل میرا ڈوبا کیا اُچھلا کیا
جگرؔ

سنانے چلے تھے اُنہیں حال دل کا
نظر ملتے ہی رنگ فق ہو گیا
جگرؔ

نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف
شکستہ شیشہ میں دل بار بار کیا کہنا
جگرؔ

نگاہ جس پہ پڑی چھائی اس پہ بیخبری
کسی کی مست نگاہی پہ سو خمار نثار
بہزاد

میری ہستی پہ کیا نظر ڈالی
میری دُنیا بنا گیا کوئی
بہزاد

اِک نظر سے تم نے میری زندگی بھی لوٹ لی
زندگی بھی اور شانِ زندگی بھی لوٹ لی
بہزاد

اِک نگاہِ ناز پر صدقے تمام کائنات
اِک نگاہِ ناز سے اپنا بنا گیا کوئی
بہزاد

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
میر درد

جوں شمع تو نے جیدھر نظریں اُٹھا کے دیکھا
پروانہ وار جی ہی جاتا رہا کسی کا
میر درد

ترچھی نظر سے طائرِ دل ہو چکا شکار
جب تیر کج پڑے گا اُڑے گا نشانہ کیا
آتش

کافر نظر نے اُس کی کچھ اس طرح سے دیکھا
اِک لمحہ بڑھ گیا ہے لمحاتِ زندگی میں
دیجہ اکبرآبادی

جہاں میں جس کے افسانے بنے ہیں
تمہاری ایک دزدیدہ نظر ہے
حاجی حیدرآبادی

تڑپ اُٹھے لحد میں سونے والے
زمیں کی سمت تو نے کیوں نظر کی
افسر میرٹھی

اُٹھائی آنکھ تُو نے آسماں میں پڑ گئے رخنے
زمیں پر آفتیں آئیں تیری نیچی نظر ہو کر
نامعلوم

تڑپ اُٹھے ہیں دل پھر قدسیوں کے
فلک کی سمت جب تو نے نظر کی
عارف بٹالوی

جینا بھی آ گیا مجھے مرنا بھی آ گیا
پہچاننے لگا ہوں تمہاری نظر کو میں
اصغر

صدقے ادا کے ناز کے قاتل نے بعد ذبح
دیکھا جو مڑ کے جان سی بسمل میں آگئی
ریاض خیرآبادی

اپنی نظر سے پوچھو اس عشق کی حقیقت
یہ میں نے ابتدا کی یا تم نے ابتدا کی
تسنیم

جو بے بس ہو کے رہ جاتی ہیں للچائی ہوئی نظریں
انہیں حسرت بنا کر ہم نے اپنے دل میں رکھا ہے
خیال ٹونکی

تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا
داغ

کسی کی آنکھوں سے جو نگاہیں نکل کے آئی تھیں تار بن کر
وہ ثبت تھیں برگِ گل کے اوپر حسین نقش و نگار بن کر
سعید بریلوی

جو مجھ کو گدگدائے وہ جوبن کا ہے ابھار
جو تم کو گدگدائے وہ میری نگاہ ہے
ریاض

بیتاب ہیں کسی کی نگاہیں نقاب میں
ہیں بجلیاں کہ کوندرہی ہیں سحاب میں
نسیم بھرتپوری

نظر جھکائے تو غنچوں کو نیند آجائے
نگہ اٹھائے تو پھولوں میں تازگی آئے
مخمور اکبر آبادی

اُف رے وہ کیف جو پنہاں نگہ ناز میں ہے
ایک نغمہ کہ خوابیدہ رگِ ساز میں ہے
فرخ بنارسی

مجھے تم اس نگاہ سے دیکھو
جو تمہیں درد آشنا کردے
محمد علی جوہر

قاتل کی نظر بسمل سے ملی بسمل کی نظر قاتل سے ملی
خنجر وہ چلانا بھول گئے یہ اپنا تڑپنا بھول گئے
بسمل

قیامت تھی اُن کی وہ دھیمی نظر
میرا زہد جس نے ریا کر دیا
ممتاز حسین

کیا بات تھی کہ جس سے رہے وہ بھی بیقرار
آئینہ لاؤ اپنی نظر دیکھتا ہوں میں
نازش حیدری

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اُٹھے تو بجلی پناہ مانگے جھکے تو دنیا خراب کر دے
ساغر

اُس نے بھولے سے کیا نظر ڈالی
عمر ساری خراب کر ڈالی
نامعلوم

میں رو رہا ہوں اُن کی نظر ہے عتاب کی
شبنم پہ پڑ رہی ہے کرن آفتاب کی
احسان دانش

قیامت ہیں ظالم کی نیچی نگاہیں
خدا جانے کیا ہو جو نظریں اُٹھا لے
عزیز لکھنوی

برقِ نگاہ اُن کی کیا کام کر گئی
اب تک نفس نفس میں بجلی سی کوندتی ہے
رُسوا

کس کی نگاہِ کافر غمّاز بن گئی ہے
میری تمام ہستی آواز بن گئی ہے
جگرؔ

اُمید یاس بنی یاس پھر اُمید بنی
اُس اِک نظر میں فریبِ نگاہ کتنا تھا
فراقؔ

یہ نگاہِ غلط انداز بھی کیا جادُو تھا
دیکھنے والے تیرے جی نہ سکیں مر نہ سکیں
فراقؔ

برچھی تری نگاہ کی پہلو میں آ لگی
پہلو سے دل میں دل سے کلیجے میں جا لگی
یلینؔ

ساقی تیری نظر نے کیا کر دیا مجھے
جیسے رگوں میں خون نہیں ہے شراب ہے
حفیظؔ جالندھری

میری یہ نگاہیں تو کوئی چیز نہیں ہیں
خود اپنی بھی نظر دل سے ذرا دور رہو تم
بہزادؔ

وہ نگاہ واپسیں کیا ہو گئی
عاشقی کروٹ بدل کر رہ گئی
بہزاد

جس کو میں اِک نگاہ سمجھا تھا
تیر پہنچا وہ دل کے پار تیرا
بہزاد

تُو نے دیکھا اور پیدا ہو گئی دل میں خلش
تُو نے پہنچایا نگاہوں سے پیامِ اضطراب
بہزاد

کِس نے کی مجھ پر یہ نگاہِ کرم
کون عالم میرا سنوار گیا
بہزاد

زندگی پر نگاہ کیا ڈالی
زیست کو جگمگا دیا تُو نے
بہزاد

نظر وُہ ہے جو اس کون و مکاں سے پار ہو جائے
مگر جب رُوئے تاباں پر پڑے بیکار ہو جائے
اصغر

محفل کو اُس نے آئنہ ساماں بنا دیا
جس دل پہ کی نظر اُسے حیراں بنا دیا
منتخب

میرا دل ہی تنہا نہیں بیٹھا جاتا
تمہاری نظر بھی جھکی جا رہی ہے
منتخب

اُف رے وفورِ بندگی جس سے ہیں کس غضب کے ہم
جس پہ نگاہ ڈال دی بندہ نواز ہو گیا
بہزاد

اِک نظر پر اُن کی مرنا ہے مجھے
اِک نظر پر ہے مدارِ زندگی
بہزاد

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر ان کی وہ کیا بدلی کہ مجھ سے کل جہاں بدلا
مجذوب

ہم بھی خود کو تباہ کر لیتے
تم اِدھر بھی نگاہ کر لیتے
بہزاد

ہائے تیرِ نگاہِ نازِ دوست
آنکھوں آنکھوں میں دل کے پار گیا
بہزاد

ہستی کے بند بند جُدا ہو کے رہ گئے
دل پر پڑی تری نگۂ بے قرار کیا
فراق

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں
سودا

جو وجہ اشتعال ہے اُس فتنہ گر کو روک
الزام مجھ پہ کس لئے اپنی نظر کو روک
آرزو

اِک اِک نگاہ جام لنڈھاتی ہوئی اُٹھی
میں بے نیازِ شیشہ و پیمانہ ہو گیا
منظور اعجاز

فضا میں تیر رہی ہے کوئی کرن کہ نظر
دمک رہا ہے ستاروں کا بانکپن کہ نظر
منظور عارف

چمک رہی ہے سیاہی میں روشنی کی لکیر
یہ اپنی دھن میں جگنو کوئی مگن کہ نظر
منظور عارف

اُسے عطا کئے دیتی ہے پھر کمالِ غرور
نگاہِ شوق میری جس حسیں پہ رہ جائے
عارف بٹالوی

وہ اور ہیں جو طلبگارِ حشر ہیں واعظ
نگاہِ یار سلامت مجھے کمی کیا ہے
خمار بارہ بنکی

کی اک نظر کہ طور سراپا جلا دیا
کس حوصلے پہ کوئی تیری آرزو کرے
عارف بٹالوی

مَیں کہاں اس نگاہ کے قابل
ذرّہ دل کو آفتاب نہ کر
نظر

آئے ہو یُوں تباہ کرنے کو
آخریں اس نگاہ کرنے کو
نظر

تجھے خبر ہے تیرے تیرِ بے پناہ کی خیر
بہت دنوں سے دلِ ناتواں نہیں ملتا
فانی

تغافل و خمار اور بے خودی کی اوٹ میں
نگاہیں اک جہاں کی ہوشیاریاں لئے ہوئے
فراق

اِک نگاہِ شرمگیں میں سینکڑوں مقتل نہاں
اِک پیامِ زیرِ لب میں محشرستاں دیکھئے
فراق

ٹھکانا ہے کچھ اس عذرِ ستم کا
تیری نیچی نظر ہے اور مَیں ہوں
فراق

لہک اُٹھی ہیں نگاہیں جدھر اُٹھی وہ نگاہ
بہشت کے چمنِ منتظر کو دیکھتے ہیں
فراق

سفید پھول زمیں پر برس پڑیں جیسے
فضائیں کیفِ سحر سے جدھر وہ دیکھتے ہیں
فراق

وہ رنگِ رُخ تھا اُٹھائی ہے جب نگاہ اس نے
شراب جیسے چھلکتے چھلکتے رہ جاتے
فراق

وہ صبحِ وصل اوّل تو نہ اُٹھنا ان نگاہوں کا
مگر جس وقت اُٹھ جانا تو پھر اک داستاں ہونا
فراق

کچھ نہیں کہتیں وہ نگاہیں مگر
بات پہنچتی ہے کہاں سے کہاں
فراق

اس پری نے جب نگاہِ گرم سے دیکھا ادھر
پانی پانی ہو گیا لوہا مری زنجیر کا
صابر

دل سے نکلی آہ جب ترچھی نظر اُن کی پڑی
ہے ہوائی تیر کی ٹکر ہوائی تیر سے
صابر

ہزاروں تیر کلیجے میں لگ چکے ہیں ولی
اگرچہ وہ ہیں ابھی تک نظر جھکاتے ہوئے
ولی

لڑائیں آنکھ وہ، ترچھی نظر کا وار رہنے دے
لڑکپن ہے ابھی ناحم خدا تلوار رہنے دے

بیخود

اِس نظر سے تو نے کیوں دیکھا مجھے
ہر تمنّا خواب بن کر رہ گئی

وجد

تم نے کیوں پیار سے ہمیں دیکھا
عمر گذرے گی دل کو بہلاتے

شوکت واسطی

اب کیا کہیں آپ کی نظر کو!
ہر جام سے مے چھلک رہی ہے

اختر ہوشیارپوری

دل کو کسی کی نیم نگاہی نے بخش دی
وہ با مزا خلش کہ تمنا کہیں جسے

فضلی صاحب

نگاہِ شوق جب اُس سے لڑی ہے
تو بجلی تھرتھرا کر گر پڑی ہے

داغ

تیری نگاہِ توجہ کا فیض ہے ورنہ
عزیز یوں تو نہ تھی مجھ کو زندگی میری
ادیب سہارنپوری

تیری نظر کا تصرف جواں رہے ساقی
کہ میکدوں میں دلوں کے ایاغ روشن ہیں
نذیر برلاس

غلطاں تھی کائنات اسی رنگ میں عدم
جس رنگ سے نگاہ پڑی کائنات پر
عدم

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلہ
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
غالب

توبہ کا پاس تھا مجھے لیکن میں کیا کروں
تیری نگاہِ مست نے ساغر پلا دیا
نجمہ

کس نے نگاہِ ناز سے دیکھا ہے اس طرف
فریاد کر رہا ہے جگر ہائے دل گیا
اکبر

میخانہ کی اِک رُوح مجھے کھینچ کے دے دی
کیا کر دیا ساقی نگۂ ہوش رُبا نے
اصغر

اپنی نظریں بکھیر دے ساقی
مے باندازۂ خمار نہیں
فیضؔ

وسعتِ کون و مکاں ڈوب کے رہ جاتی ہے
ایک ایسی بھی محبّت کی نظر ہوتی ہے
اقبالؔ صفی پوری

پڑے ہے بزم میں جس شخص پہ نگاہ تری
وہ منہ کو پھیر کے کہتا ہے اُف پناہ تری
جرأت

امیرؔ اس ناز سے ظالم نے دیکھا
نگاہیں بول اُٹھیں وہ لے لیا دل
امیرؔ مینائی

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو
وزیرؔ

فضا کو جیسے کوئی راگ چھیڑتا جائے
تیری نگاہ دلوں میں یونہی اُترتی آئی
فراق

اِک دلنشیں نگاہ میں اللہ یہ خلش!
نشتر کی نوک جیسے کلیجے میں ٹوٹ جائے
عندلیب شادانی

سلسلہ اُس نگہِ مست سے بندھ کر چھوٹا
درد اُٹھا ہوش اُڑے ہاتھ سے ساغر چھوٹا
فراق

وہ مہکی ہوئی چھاؤں نگاہوں کی دلوں پر
غنچوں سے ستاروں کی کرن کھیل رہی ہے
فراق

جھپک جھپک سی گئی ہے بہارِ لالہ و گُل
تری نگاہ سے چنگاریاں سی کچھ جو اُڑیں
فراق

بھینی بھینی نگاہ کی خوشبو
مہکی مہکی ان آنکھوں کی باتیں
فراق

دل کے آئینے میں اس طرح اُترتی ہے نگاہ
جیسے پانی میں لچک جائے کرن کیا کہنا
فراقؔ

اس نرم نگاہی سے چمک اُٹھتا ہے اے دوست
وہ درد جو انسان کو افسانہ بنا دے
فراقؔ

تیری افسردہ نگاہی سے یہ شکوہ ہے کہ میں
رازِ نظر تیرے سینے میں چھپا کیوں نہ رہا
شکیلؔ

شیشے میں موجِ مے کو یہ کیا دیکھتے ہیں آپ
اس میں جواب ہے اسی برقِ نگاہ کا
اصغرؔ

اس نگاہِ ناز میں وہ ہلکی ہلکی جنبشیں
معنیٔ بے لفظ و شرحِ مختصر میرے لئے
جگرؔ

بھولتی ہی نہیں دل کو تری مستانہ نگاہ
ساتھ جاتا ہے یہ میخانہ جدھر جاتے ہیں
اخترؔ شیرانی

سورج کی سب سے پہلی کرن خوشنما سہی
لیکن تری نظر کی طرح دلنشیں نہیں

اختر شیرانی

ملتا نہ عمر بھر مجھے مفہوم زندگی
لیکن تری نظر کے اشارے سے ملگیا

عدم

آپ اک زحمتِ نظر تو کریں
کون بے ہوش ہو نہیں سکتا

عدم

مَیں اور ذوقِ بادہ کشی، لے گئیں مجھے
یہ کم نگاہیاں تری بزمِ شراب میں

آرزو

مَیں سمجھتا ہوں تری عشوہ گری کو ساقی
کام کرتی ہے نظر نام ہے پیمانے کا

جلیل

کیفِ نظر کی مستیاں اہلِ نظر سے پوچھئے
جیسے کوئی پلا گیا بادۂ مشکبو کے جام

ظفر تاباں

کیا کہہ گئی کسی کی نظر کچھ نہ پوچھئے
کیا کچھ ہوا ہے دل پہ اثر کچھ نہ پوچھئے
اختر شیرانی

معرکے سر ہوں اسی برقِ نظر سے اے حُسن
یہ چمکتی ہُوئی چلتی ہوئی تلوار تو ہے
فراق

کہہ گئی کیا نگہِ ناز تیری ہم جس کو
بات کی بات فسانے کا فسانہ سمجھے
فراق

اِکبار تو اُٹھی تھیں وہ نظریں میری جانب
پھر تذکرۂ ساغرِ مینا ہی نہ آیا
شکیل

جانے کن نظروں سے دیکھا آج ساقی نے مجھے
میں تو یہ سمجھا کہ مجھ تک دَورِ جام آ ہی گیا
شکیل

جو اُٹھے اور اُٹھ کے رہ جاتے
وہ نگہ بے پناہ ہوتی ہے
ثاقب کانپوری

جاتے رہے دم بھر میں سارے گلے شکوے
اُس جانِ تغافل نے جب ایک نظر دیکھا
جگر

کچھ بات بن پڑی نہ دلِ داد خواہ سے
کیا جانے کیا وہ کہہ گئے نیچی نگاہ سے
جگر

آج رگ رگ میں مری اِک شورشِ مستانہ تھی
کیا نگاہِ مستِ ساقی شاملِ پیمانہ تھی
جگر

وہ آڑ میں پردے کے تری نیم نگاہی
ٹوٹے ہوئے اِک تیر کا ٹکڑا ہے جگر میں
ندیم قاسمی

اُٹھے اُن کی نظر تو آسماں پہ میکدے جھومیں
جھکے تو انجمن میں بارشِ پیمانہ ہو جاتے
ساغر نظامی

کر دیا اِک نگاہ میں بے خود
چشمِ کافر ہے کیا خدا جانے
ظفر

چشم

خُدا بچائے تیری نیم مست آنکھوں سے
فرشتہ ہو تو بہک جائے آدمی کیا ہے

جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھونگا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
غالب

اس چشم مے فروش کی تاثیر کیا کہوں
آنکھوں تک آج آپ ہی مے خانہ آگیا
اختر شیرانی

خمارِ نیم شبی ہے سرورِ بادہ ہے
وہ آنکھ کتنی حسیں اور کتنی سادہ ہے
محسن احسان

کس کی آنکھوں کا لئے دل پہ اثر جاتے ہیں
میکدے ہاتھ بڑھاتے ہیں جدھر جاتے ہیں
اختر شیرانی

لوگ مرتے بھی ہیں جیتے بھی ہیں بیتاب بھی ہیں
کونسا سحر تری چشمِ عنایت میں نہیں
اصغر

یہ کس کی مست آنکھیں یاد آئیں
کہ اتنا مست ہے مخمور ہے دل
اختر شیرانی

مست آنکھیں یونہی جھکائے رہو
دھیرے دھیرے سرور بڑھتا ہے
فرید جاوید

تیری آنکھ کی مستیاں توبہ توبہ!
میری توبہ توبہ بھی تھرّا رہی ہے
بشیر حیدر

اللہ اللہ تری آنکھوں کا چھلکتا ہوا کیف
جیسے مستی میں اُلٹ دے کوئی پیمانے چند
اختر شیرانی

آنکھیں ہتھیلیوں سے مَل نیند ہے چشم ناز میں
بھر دے حنا کا رنگ بھی نرگسِ نیم باز میں
جوش

میرے حواس سلب کیے یار کی چشم مست نے
فتح کا تاج رکھ دیا سر پہ میرے شکست نے
جوش

اُٹھیں آنکھیں بادل سے لہرا گئے
ملی نظریں بجلی سی تھرا گئی
اختر شیرانی

سرشار آنکھ، نیند کی مستی، خمارِ حسن
لاکھوں شراب خانے لٹا کر چلی گئی
اختر شیرانی

ساقی کی چشمِ مست کا کیا کیجئے بیاں
اتنا سرور تھا کہ مجھے بھی سرور تھا
جگر

ان انکھڑیوں کی قسم ان کی مستیوں کی قسم
کہ پُر شراب سے جامِ شراب دیکھ لیا
بہزاد

آنکھیں ہیں سرخ نگاہیں ہیں مضمحل
جاگے نہیں ہو بلکہ جگائے گئے ہو تم
بہزاد

اُن کی چشمِ پُر آب کیا دیکھی
گویا جامِ شراب دیکھ لیا
بہزاد

انکھڑیاں تھیں کہ میکدے رقصاں
کوئی بھی ہوشیار ہو نہ سکا
بہزاد

ہم رونقِ ہستی کا سامان لُٹا بیٹھے
کافر تیری آنکھوں پر ایمان لُٹا بیٹھے

بہزاد

اِک گھُمر بار ابر ہے گویا
یہ ہے چشمِ پُر آب کا عالم

بہزاد

اختر کی آنکھ میں ہے جوانی کی مستیاں
لوگوں کو ہے گماں کہ یہ مستِ شراب ہے

اختر شیرانی

آنکھوں میں داستانِ شبِ غم لئے ہوئے
یاروں کو ہے گمان کہ ہم ہیں پئے ہوئے

عارف بٹالوی

نگاہِ حُسن کی معصومیت کو کم کر دے
گنہگار نظر کو حجاب آتا ہے

فیض

دل کس کی چشم مست کا سرشار ہو گیا
کس کی نظر لگی جو یہ بیمار ہو گیا

میر درد

کرے ہے مست نگاہوں سے ایک عالم کو
لئے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

میرؔ درد

دونوں جہاں کی نہ رہی پھر خبر اُسے
دو پیالے تیری آنکھوں نے جسکو پلا دئے

میرؔ درد

آنکھیں تیری یوں نشہ سے جاتی ہیں چڑھی
جوُں کشتی چڑھاؤ پر کبھی جاتی ہو

میرؔ درد

گذرا ہے نظر سے ایک عالم
یہ چشم نہیں ہے نقش پا ہے

میرؔ درد

سرک جائے جو رُوئے چشم تر سے گوشہ دامن کا
نہ دیکھا ہو کسی نے ایسا اپنی ہوش میں دریا

آتشؔ

مستیٔ حسن بھرے آنکھ کے پیمانے میں
جھومتا کوئی چلا آتا ہے مے خانے میں

رضیؔ بدایونی

آئینے میں عکسِ چشمِ یار کا عالم نہ پوچھ
دیکھ اے آتش کنول پھولے ہوئے تالاب میں
آتش

تری چشمِ مست کے سامنے مئے ناب جو تھی دھری رہی
نہ کسی نے لی نہ کسی نے دی جو بھری تھی خم میں بھری رہی
اطہر ہاپوڑی

آنکھ اس ادا سے اس نے دکھائی کہ میں نے شوقؔ
چپکے سے اپنا مے کا بھرا جام رکھ دیا
شوقؔ قدوائی

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے ہے!
کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے ہے!
(چناں بیگم۔ محل خاص بہادر شاہ)

نظر کس چشمِ فتاں سے لڑی ہے
کہ آنکھوں کو لئے نرگس پڑی ہے
امیر مینائی

جہاں پلکوں کے سائے میں ہزاروں فتنے سوتے ہیں
وہاں فطرت نے چپکے سے نگاہِ شرمگیں رکھ دی
نامعلوم

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اُس کی آنکھوں کی نیمخوابی سے
میرؔ

جھلملاہٹ فلک کے تاروں کی
چشمکِ چشمِ یاد کی سی ہے
امین حزیںؔ

مجھ سے مِلا کے آنکھ نہ دیکھو زمین پر
مٹی میں کیوں اُلٹتے ہو بوتل شراب کی
رُسواؔ

نثار نرگسِ مَیگوں کہ آج پیمانے
لبوں پہ آتے ہوئے تھرتھراتے ہیں کیکیا
فراقؔ

تمہاری نشیلی نگاہوں کے صدقے
یہ کلیوں کا بچپن گلوں کی جوانی
شاطرؔ

مدبھری آنکھوں میں اس کی دیکھئے
ہیں شرابِ ارغوانی کے مزے
بہزادؔ

ان آنکھوں سے نگاہوں نے ہماری
ہزاروں جام بھر بھر کر پیے ہیں
بہزاد

اُٹھی بہزاد کیا پھر چشمِ ساقی
فضا دنیا کی ہے بر دوش کیوں ہے
بہزاد

کس بلا کی آنکھوں میں کشش ہے دیکھنا
خود بخود ہی میرے سینے سے کھنچا جاتا ہے دل
نخشب

گھبرا کے دم نکل گیا اور تو کھلی رہی
اے چشم آفریں ہے تیرے انتظار کو
نامعلوم

ان آنکھوں نے تمہاری اُف کہیں کا ہی نہیں رکھا
مگر کہتے یہ ہو بجلی گرانا ہی نہیں آتا
بہزاد

آنکھوں نے دیا مجھ کو جب جام محبت کا
نظروں نے دیا بڑھ کر پیغام محبت کا
بہزاد

میری توبہ کا اب خدا حافظ
تیری آنکھوں سے مے برستی ہے
نامعلوم

وہ چشمِ شوخ کیا چھوڑے گی زندہ
ہمیشہ با کماں ہے در کمیں ہے
حافظ شیرازی

نگاہِ نرگسِ بیخود نے دُور تک دیکھا
کلی تڑپ سی گئی جب وہ پاس آ کے چلے
جلیل

وہ مسکراتی آنکھ جس میں رقص کرتی ہے بہار
شفق کی گل کی بجلیوں کی شوخیاں لئے ہوئے
فراق

وہ نرگسِ سیاہ نیم باز میکدہ بدوش،
اندھیری مست راتوں کی جوانیاں لئے ہوئے
فراق

رکھ رکھاؤ اس آنکھ کا دیکھا
چُپ کی چُپ اور بات کی بات
فراق

ان مدبھری آنکھوں میں چمک جاتی ہیں ایسے
یا مستیٔ صہبا نے کہن کھیل رہی ہے
فراقؔ

چھلک کے کم نہ ہو ایسی کوئی شراب نہیں
نگاہِ نرگسِ رعنا ترا جواب نہیں
فراقؔ

شرابی آنکھ سے جذبات کو بہکا رہی ہے وہ
ادائے دلنشیں سے شوق کو بھڑکا رہی ہے وہ
صابرؔ

محفل میں گرم کیف نوازی ہے دمبدم
وہ چشمِ مست ساغرِ صہبا کہیں جسے
صابرؔ

وہ چشمِ مست ہے سرمہ سا کیا لگائے ہوئے
کہ میکدے پہ ہے ابرِ سیاہ چھائے ہوئے
صابرؔ

کرشمے ہیں اس چشمِ کیف آفریں کے
کہ مخمور ہر پارسا ہو رہا ہے!
دلیؔ

دل میں نقشہ تیری آنکھوں کا کھنچا دیکھا ہے
رنگِ میخانے کا کعبے میں جما دیکھا ہے
ولی

ابرِ نیساں برس کے ہو نہ خجل
چشمِ ساقی سے مے برستی ہے
وجد

جو چھلکتی ہے چشمِ ساقی سے
وہی صہبائے ناز ہوتی ہے
وجد

وہ تری خود مست آنکھیں، وہ تبسّم بادہ ریز
آج تک نظروں میں عالم ہے چھلکتے جام کا
سیماب

سمائی جاتی ہیں دل میں وہ کُفر بار آنکھیں
یہ بتکدے مرے کعبے پہ چھائے جاتے ہیں
سیماب

تری چشمِ مست حسیں نہ ہو تو رہین رنگِ مجاز ہو
اُسے کیا ضرورتِ آئنہ جو نگاہ آئینہ ساز ہو
سیماب

خندۂ صبح ازل تیرگیٔ شامِ ابد
دونوں عالم ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں میں
فراقؔ

کھلے وہ پھول نیلوفر کے آنکھیں اُسنے جب کھولیں
ستم کیسا کیا شرما کے ہاتھوں سے جو مَل ڈالا
طباطبائیؔ

چلمن میں مژہ کی گنگناتی آنکھیں
چوتھی کی دُلھن سی کچھ لجاتی آنکھیں
جوبن رس کی سدھا لٹاتی ہر آن
پلکوں کی اوٹ مسکراتی آنکھیں
فراقؔ

روشن تو وُہ ہوتی ہے جہاں بیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگۂ پاک
علامہ اقبالؔ

دل تھامتا کہ چشم پہ کرتا تیری نگاہ!
ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالتا
فراقؔ

بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا!
تری آنکھ مستی میں ہشیار کیا تھی!
علامہ اقبال

اے جانِ ناز آ جا آنکھوں کی راہ دل میں
ان خشک ندیوں سے مشکل ہے کیا گذرنا
جگر

چشمِ ساقی کی خیر ہو یارب
بے پیئے ہی سرور رہتا ہے
جگر

تیری چشمِ مست کو کیا کہوں کہ نظر نظر ہے فسوں فسوں
یہ تمام ہوش یہ سب جنوں اسی ایک گردشِ جام سے
جگر

اللہ رے چشمِ یار کی معجز بیانیاں
ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے
جگر

ادا بھی میرے لئے آفت کا ساماں ہو گئیں
ہائے وہ مخمور آنکھیں جب پشیماں ہو گئیں
جگر

نہیں شکوہ تشنگیِ مے کشوں کو!
وہ آنکھوں سے میخانے برسا رہے ہیں
اختر شیرانی

تمہاری بیرُخی نے لاج رکھ لی بادہ خانے کی
تم آنکھوں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے
قتیل شفائی

دیکھا ہے جب سے اُن کی نگاہوں کو اے عدم
مانوس ہو گئی ہے طبیعت شراب سے
عدم

دیکھی ہے جب سے اس بُتِ کافر کی چشمِ مست
کچھ اُکھڑ گئی ہے اپنی طبیعت شراب سے
عارف بٹالوی

لوگ اِس بہانے سے بادہ کش نہ ہو جائیں
آپ کی نگاہوں کا رنگ ارغوانی ہے
عدم

اللہ رے اس کی آنکھ میں نشے کی خستگی
جیسے گھٹائیں چوُر ہوں پانی کے بوجھ سے
عدم

کوئی سو گیا ہے کوئی سو رہا ہے
تیری آنکھ کا تذکرہ ہو رہا ہے
عدمؔ

شرابیں نیند میں ڈوبی ہوئی ہیں
خمارِ نیم خوابی توبہ توبہ
عدمؔ

میرؔ اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے
میرؔ

لڑتی نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہؔ
ہم کو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں
شیفتہؔ

خوب سنبھلا ہیں نگاہِ مستِ ساقی کے حضور
کانپتے ہاتھوں سے گرتے گرتے ساغر رہ گیا
ثاقبؔ لکھنوی

ہائے اُن مخمور آنکھوں کی پشیمانی کا حُسن
میں نے یہ سمجھا بہاروں کو پسینہ آ گیا
عدمؔ

اُن کی آنکھیں بھی چاہتی ہیں شراب
میکدے بھی شراب پیتے ہیں
عدمؔ

یہ کرامت تو اُسی چشمِ فسوں ساز میں ہے
کہ خموشی میں نہاں شوخیٔ تقریر رہے
فراقؔ

سُرمگیں آنکھوں میں یُوں حسرتیں لَو دیتی ہیں
جیسے ویران مزاروں پہ دِیے جلتے ہیں
ساحرؔ لدھیانوی

اس چشمِ مے فروش سے کوئی نہ بچ سکا
سب کو بقدرِ حوصلۂ دل سرُور تھا
جگرؔ

جُرعۂ مے کی ادائیں نگۂ ناز میں ہیں
چشمِ مخمُور میں کلُ راز ہے میخانے کا
جگرؔ

دیکھنے والے نگاہِ مستِ ساقی کے کبھی
آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں ساغرِ سرشار کو
جگرؔ

یہی صہبا یہی ساغر یہی پیمانہ ہے
چشمِ ساقی ہے کہ میخانے کا میخانہ ہے

جگرؔ

آج تو کر دیا ساقی نے مجھے مست الست
ڈال کر خاص نگاہیں مرے پیمانے میں

جگرؔ

آنکھ تمہاری مست بھی ہے مستی کا پیمانہ بھی
ایک چھلکتے ساغر میں مے بھی ہے میخانہ بھی

ساغر نظامی

چشمِ سرشار میں حیا چمکی
ساغرِ مے میں چاندنی کی ڈلی

ندیمؔ قاسمی

تمام عمر کیا مَیں نے میکدوں کا طواف
پلا سکا نہ کوئی چشمِ دلبراں کی طرح

عارفؔ بٹالوی

گردشِ چشمِ یار کے الزام
آسماں پر لگائے جاتے ہیں

ندیمؔ قاسمی

میکدہ کچھ بھی سہی اس کی فضا میں ہم لوگ
تیری آنکھوں کے تصوّر کو جواں رکھتے ہیں
شوکتؔ واسطی

تبسّم بھی شبنم سے ہو نرم جس کا
قیامت ہے اُس آنکھ کا ڈُبڈُبانا
فراقؔ

کہتی ہیں وہ مست آنکھیں ساغرِ مے سے کہ دیکھ
تجھ سے ہے مستی و بیہوشی ہمیں سے اِسقدر
ظفرؔ

جس سمت بھی اٹھتی ہیں بپا کرتی ہیں محشر
ان مست نگاہوں میں قیامت کا اثر ہے
محمودؔ کوثر

بہت ہے میرے لئے تیری چشمِ مستانہ
رہے گی آج گلامندہ رسمِ مےخانہ
عارفؔ ٹالوی

کسقدر کیف آفریں ہے وہ نگاہِ دلنشیں
خود سمجھتا ہوں مگر سمجھا نہیں سکتا ہوں میں
فارغؔ بخاری

الزام دے رہے ہیں یہاں مے کشی کو ہم
مجُرم تیری نگاہ کو گردانتے ہیں لوگ

محسن احسان

نہ پوچھ ان مست آنکھوں کو جو حالت ہے جوانی میں
کہ جیسے رنگ کے چولے میں آتے ملبوس ہوتی ہے

عدم

تیری آنکھیں ہیں جب تک محوِ جُنبش
بہاریں رقص فرماتی رہیں گی!

عدم

رات اس کی آنکھ کو تھوڑا سا غمگیں دیکھ کر
یہ گماں ہوتا تھا جیسے میکدہ ناشاد تھا

عدم

اُن حسیں آنکھوں کا یارانہ کہاں گُم ہو گیا
محوِ حیرت ہُوں کہ میخانہ کہاں گُم ہو گیا

عدم

نہ جام دے کہ اسے آزما چکا ہُوں مَیں
نظر ملا کہ نشے میں کمی سی پاتا ہُوں

عارف بٹالوی

عارِض

چمک رہا ہے ان کا غمزہ شوخی کے انگاروں پر
ضبط کا خرمن پھونک رہے ہیں آگ لگے رخساروں پر

رُخسارِ لالہ گوں پہ پسینہ تو دیکھئے
پانی میں آگ لگ گئی ہے شباب سے

اُس رُخ پہ ہے نظر کبھی جامِ شراب میں
آیا کہاں سے نورِ شبِ ماہتاب میں
اصغر

کبھی گُل کہہ کے پردہ ڈال دیتے ہیں ہم اُس رُخ پر
کبھی مستی میں پھر گل کو رُخِ زیبا سمجھتے ہیں
اصغر

آمدِ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست
دُودِ شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
غالب

کیوں جل گیا نہ تابِ رُخِ یار دیکھ کر!
جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر!
غالب

رُخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیٔ شمع
ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیٔ شمع
غالب

پھوُلی ہوئی شفق ہے کہ رخسارِ یار پر
تصویر یہ کھینچ دی ہے کسی نے بہار پر
نظر حیدرآبادی

میں ہونٹ تو اپنے رکھ دوں گا چپکے سے اس پہ کچھ بھی ہو
چاہے یہ کسی کا عارض ہے یا دہکا ہوا انگارا ہے
شوکت رضوی

غضب ہے عارضِ رنگیں پہ چاندنی کی بہار
لبوں پہ کھیل رہا ہے تبسّمِ شبِ ماہ
جوشؔ

جلا کے میری نظر کا پردہ ہٹا دی رُخ سے نقاب تُو نے
چراغ اُٹھا کر میرے شبستاں میں رکھ دیا آفتاب تُو نے
جوشؔ

اس عارضِ رنگیں پہ عالم وہ نگاہوں کا
معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی
اصغرؔ

اُس کا وہ قدِ رعنا اس پر وُہ رُخِ رنگیں
نازک سا سرِ شاخ اک گویا گلِ تر دیکھا
اصغرؔ

جسے ہم اپنی محبّت کا زخم کہتے ہیں
ترے ہی عارضِ رنگیں کا کوئی پھول نہ ہو
جگرؔ

وہ بات طور کی یاد آگئی زمانے کو!!
کبھی جو عارضِ رنگیں سے ہٹ گئی ہے نقاب
عارف بٹالوی

کہکشاں محو ہوئی رنگ اڑا تاروں کا!
جلوہ دیکھا جو میرے ماہ کے رخساروں کا
فرخ امرتسری

رات مجلس میں تیرے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
میر دردؔ

دیکھ کر رخسار تیرے کی صفا
آئنہ کی یاں اُکھڑتی ہے قلعی
میر دردؔ

سیاہ زلفوں کی چھاؤں میں آتشیں رخسار
افق میں جیسے گلے مل رہی ہو صبح و شام
ضمیر جعفری

رخِ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی!
شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی
اصغرؔ

سیاہ نقاب میں روشن شفق نما رخسار
چراغ رات کے پردوں میں جھلملاتے ہوئے
اختر شیرانی

فضائے کاکلِ مشکیں میں شعلہ گوں عارض
سوادِ شام میں آتش کدے جلائے ہوئے
اختر شیرانی

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے
داغ

عارض کی سُرخیوں میں دہکتی ہوئی شراب
یا دوپہر کی دھوپ میں پگھلا ہوا شباب
ہمدم ناگپوری

یہ گیسُو ہیں اُن کے یہ عارض ہیں اُن کے
کہ نیرنگِ شام و سحر سامنے ہے
بہزاد

رکھ کے مُنہ سو رہا اُن آتشیں رخساروں پر
چین تھا دل کو تو نیند آگئی انگاروں پر
تسنیم

ضیائے عارضِ پُر نورِ یار وُہ دیکھی!
نگاہ میں زہرہ و مہر کے سمائے چراغ!
جاںؔ

دو اجازت تو کلیجے سے لگا لوں رُخسار
سینک لوں چوٹ جگر کی انہی انگاروں سے
آغا شاعر

سُرخیٔ مے کی رُخِ مہوش پہ یوں رخشاں جھلک
ارغواں جیسے میانِ تختۂ نسریں قریب
حافظ شیرازی

شفق کے جلوے ہیں تاریکیوں میں آئے ہوئے
چراغ رات کی محفل میں جھلملاتے ہوئے

عجم میں ہوتی ہے آتشکدوں کی رسم ادا
کہ نقاب میں رخسار تمتماتے ہوئے
عارف بٹالوی

عارض کی جھلک ہے کہ چھلک جاتے ہیں ساغر
ماتھے کی دمک ہے کہ طلوعِ مہِ تاباں
فراقؔ

دل کے عقدے وہ کھلیں گے کہ بس اس عارض پہ
کہیں بَل کھا کے جو گیسوئے معنبر چھوٹا

فراقؔ

میرے دل میں خیالِ عارضِ پُرنور رہتا ہے
حریم کعبہ میں روشن چراغ طور رہتا ہے

دلیؔ

بیٹھے ہیں یادِ عارضِ رنگیں میں ہم نشیں
دامانِ دل کو رشکِ گلستاں کئے ہوئے

ولیؔ

دھوم تھی فصلِ بہاری کی مگر دیکھ لیا
پھول گلشن میں نہیں کوئی مثالِ عارض

بیخودؔ دہلوی

جس وقت آ کے شمع سے ٹھہرا مقابلہ
پروانے ہوں گے آپ کے رخسار کی طرف

بیخودؔ دہلوی

یہ گیسوئے پُرخم، یہ شبستانِ جمال
یہ جلتے دیئے چینیِ رخساروں کے

فراقؔ

کسی کے روئے رنگیں کی صباحت کے تصوّر میں
چمن کی چاندنی اکثر سہانی اب بھی ہوتی ہے
جوشؔ

عارض میں دمک، دمک میں ندرت
برسات کے چاند کی لطافت
جوشؔ

وہ ترے رخسار پر جنّت بداماں زندگی
وہ عروسِ شب کے دستِ ناز میں قندیلِ ماہ
جلالؔ ملیح آبادی

ہوا کا اس طرف ان کی نقابِ رُخ اُلٹ دینا
اِدھر اِک لہو کی بوند کا سرشار ہوجانا
جگرؔ

وہ رُوئے رنگیں وہ موجۂ نسیم کہ جیسے دامانِ گُل پہ شبنم
یہ گرمیٔ حسن کا ہے عالم عرق عرق میں نہا رہے ہیں
جگرؔ

چھیڑا جو اُن کے گال کو غصّے میں سرخ ہو گئے
گویا چھلک کے آ گیا سطح پہ رنگِ تہ نشیں
عارفؔ بٹالوی

وہ مست مانندِ رند آنکھیں وُہ سُرخ مثلِ گلاب عارض
جو ہیں مجسّم شراب آنکھیں تو ہے سراپا شباب عارض
دلوں کو بیچین کر رہی ہے بنی ہوئی برق اُن کی شوخی،
نظر کو تیرہ بنا رہا ہے لیئے ہوئے آفتاب عارض
برس رہا ہے یہ رنگِ مستی کہ ہوش باقی نہیں کسی کو
نگاہیں اُن کی جھکی ہوئی ہیں پلا رہا ہے شراب عارض
جگرؔ

کِھلے ہیں عارضِ گلگوں پہ سُرخ سُرخ گلاب
تصوّرات پھر اس گلبدن سے اُلجھے ہیں
تمہیدؔ الاسلام

پھُول عارض پر کِھلے ہیں تمہیدؔ
موسمِ گُل کو پکارے پھر کوئی!
تمہیدؔ الاسلام

عارضِ رنگیں پہ اُن کے رنگ سا کچھ آگیا
اُن گلوں کو چھیڑ کر ہم نے گلستاں کر دیا
اصغرؔ

★

پھیکا ہے رنگِ مے تیرے عارض کے سامنے
مستی ہے خود نثار ترے حسنِ مست پر
اکبر

حسین گالوں پر ڈھلکتے ہوئے آنسو توبہ
ہم نے شعلوں پہ مچلتی ہوئی شبنم دیکھی
نامعلوم

بہارِ گل کیا ہے اس کو چھوڑو چمن میں چل کر یہ سیر دیکھو
کہ شمعِ رخسار پر تمہارے جلے گی بلبل پتنگ ہو کر
داغ

روئے رنگیں پہ پسینے کا عجب عالم ہے
آب و آتش کو بہم دست و گریباں دیکھا
جلیل

زلفوں کو دیا ہے رخِ زیبا نے عجب رنگ
جلووں سے ترے اور بھی روشن ہوئے سائے
آلِ احمد سرور

تو دمکتے ہوئے عارض کی شعاعیں لے کر
گل شدہ شمعیں جلانے کو چلی آئی ہے
ساجد لدھیانوی

یوں اچانک تیرے عارض کا خیال آتا ہے
جیسے ظلمت میں کوئی شمع بھڑک اٹھتی ہے
ساحر

اللہ اللہ اُس بتِ کافر کے عارض کی جھلک
ہاں مجھے کہنا پڑا جو کچھ ہے تنخانے میں ہے
عارف بٹالوی

اِک ذرا عارضِ رنگیں سے ہٹا لو زلفیں
ہم بھی دیکھیں کہ شفقِ شام کسے کہتے ہیں
نامعلوم

یہ شفق ہے عارضِ جاناں پہ یا موجِ شباب
خواب گاہِ خسروِ خاور کا یا زرّیں حجاب
جوش

عالمِ حسن میں ہیں نور کی نہریں جاری
یا رواں عارضِ جاناں کے کنارے آنسو
حسرت موہانی

اس کی تیزی سے ذہن جل نہیں سکتا ساقی
جام میں مے ہے تیرا شعلۂ رخسار نہیں
عدم

یہ سیمیں بدن اور شفق رنگ عارض
کہ گلہائے احمر ہیں شاخِ سمن میں
اختر شیرانی

برنگِ شعلۂ فانوس ہو نہ پوشیدہ
تمہارا عارضِ روشن نقاب کے اندر
ظفر

آتشیں رُخ پہ وہ خط آنے لگا
آگ کے شعلوں میں سبزہ دیکھئے
رحمان بابا

تمہارے رخسارِ گل نما کے دہکتے جلووں نے راز کھولے
شرابِ رنگیں سے جام سا وہ تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں
عارف بٹالوی

عارضوں سے نہ گیسوؤں کو ہٹاؤ
سانس رُک جائے گی چراغوں کی
قتیل

لب

تیرے ہونٹ کے کنارے لبِ جام سے زیادہ
کہاں عینِ رنگِ بادہ کہاں عکسِ رنگِ بادہ

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

غالبؔ

غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دکھا کہ یوں
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں مُنہ سے مجھے بتا کہ یوں

غالبؔ

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ
خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے

غالبؔ

وہ لعلِ لب کہ جنہیں آرزوئیں پیار کریں
بہشتیں غنچوں کی شادابیاں نثار کریں

اخترؔ شیرانی

صدقے تیرے ہونٹوں کے رنگینی و رعنائی
اک موجِ تبسم میں کُل رازِ گلستاں ہے

جگرؔ

نہ کہیں کے بادہ پرست ہیں نہ ہمیں یہ کیفِ شراب ہے
لبِ یار چومے تھے خواب میں وہی جوشِ مستیٔ خواب ہے

آسیؔ

بوسہ لیا جو اُس لبِ شیریں کا مر گئے
دی جان ہم نے چشمۂ آبِ حیات پر
امیر مینائی

لبوں کو دیکھ کے ثابت ہوا کہ گوہرِ لعل
بنا ہے لعلِ تر آفتابِ عالم تاب
حافظ شیرازی

شمع کی اُس لبِ خنداں پہ زباں گر اُٹھی
پاؤں شب بھر نہ تہِ بارِ ملامت اُٹھا
حافظ

ہے یہ گفتگو لبِ شیریں و دلفریب
پستے پہ اِک غلافِ شکر بھی چڑھا دیا
حافظ

قبا میں اس کا بدن ہے کہ جام میں مے ناب
یہ لب ہیں محوِ تبسم کہ کھل رہا ہے گلاب
منظور عارف

اس کے لبِ رنگیں کی نزاکت ہے نہ رنگت
غنچے بھی بہت دیکھ لیے ہیں گُلِ تر بھی
بیخود دہلوی

لبِ لعلیں پہ نظریں جم گئی ہیں
بڑی رنگیں عبادت ہو رہی ہے

سیماب

مینا فروز رنگ میں لب ہائے سادہ پر
تارے بھرے ہوئے مہ کامل لئے ہوئے

سیماب

یہ چہرہ کھلا ہوا یہ مہکے ہوئے ہونٹ
یہ گیسوؤں کی لپیٹ یہ لہکے ہوئے ہونٹ
یہ تازہ دمی، یہ مسکراہٹ، یہ نشاط،
سانسوں کی ٹھنڈی لَو سے دہکے ہوئے ہونٹ

شکیل

وہ رُخِ رنگیں پہ انوارِ محبت زرد زرد
وہ لبِ نازک پہ طوفانِ شرر میرے لئے

جگر

نازکی اُس کے لب کی کیا کہیئے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے

میر تقی میر

ہونٹوں میں دبے خندۂ پنہاں کے شرارے
آنکھوں میں زمانے کے بدل دینے کے ساماں
فراقؔ

دل خون ہوئے جاتے ہیں اربابِ نظر کے
رکھتی ہے قیامت کا تری سُرخیٔ لب رنگ
حسرتؔ موہانی

پھر میرے زخمِ دل پہ چھڑکتے ہیں کیوں نمک
مشہورِ خلق جبکہ وہ لب ہیں شکر فروش
حسرتؔ موہانی

جہاں ذکر ہوتا ہے تیرے لبوں کا
گل و لالہ کا مینہ برستا ہے اس کا
رحمانؔ بابا

جس خطِ درخشاں سے عبارت ہے پیالہ
وہ تو تیرے ہونٹوں کے کناروں سے ملیگا
عدمؔ

ٹھوڑی

یادِ ابرو و ذقن میں اُڑ گئی آنکھوں کی نیند
گہ کنواں جھانکا کبھی تلوار کو عُریاں کیا
آتش

نہ دوڑ سیبِ زنخنداں کہ چاہ بیچ میں ہے
ذرا تو ٹھہر چلا دل بایں شتاب کہاں
حافظ شیرازی

چشمۂ آبِ حیات اس کا دہن ہے یعنی
زیرِ لب چاہِ زنخنداں ہے تو بے وجہ نہیں
حافظ

گرتے ہی زنخنداں میں کہا مجھ سے یہ دل نے
اے ہمدمِ دیرینہ جا اللہ کے حوالے
بشیر حیدر

گردن

مئے گُل رنگ سے چھلکی جو سرخی پان کی اسمیں
گلوئے یار پر عالم ہوا شیشے کی گردن کا
آتش

پھر تو لینے لگا خمِ گردن متاعِ ناز
پھر لوچ شاخِ نرم کا تلوار ہو گیا
جوش

بازُو

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا
غالب

نظر لگے نہ کہیں اُن کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں
غالب

جیسے سایۂ گل میں سانس لینے رُک جائے
یوں بہار خنداں ہے ان حسیں باہوں میں
نظر حیدرآبادی

کلامی

گجرے کلائیوں میں تیری کھوئے ہوئے سے ہیں
جیسے کرن میں پھول پروئے ہوئے سے ہیں
شوکت رضوی

شوق کو مجبور ہو کر چھوڑ دینا ہی پڑا
جب کلائی ناز کی سے تھرتھرائی آپ کی
حسرت موہانی

شاخ طوبیٰ پہ سانپ لوٹ گئے
بات تھی آپ کی کلائی کی
عدم

یہ کیفیت سنہری چوڑیوں کی خوشنمائی میں
کرن خورشید کی لپٹی ہوئی گویا کلائی میں
عندلیب شادانی

ابر میں تھا ہلال کا چہرہ
گیسوؤں میں تیری کلائی تھی
اختر ضیائی

ہر شاخ پہ جگمگاتی کرنوں کا طواف
تو جیسے کلائی میں پروئے کنگن
فراق

گُلِ برگ بن گئیں کفِ رنگیں کی مچھلیاں
نازک کلائی اُس کی بنی یاسمن کی شاخ

بیخودؔ دہلوی

الٰہی میری گردن اور ایسا ہار پھُولوں کا
کلائی دوش پر یہ کِسنے ہنسکر ناگہاں رکھدی

بیخودؔ دہلوی

اُف یہ تیغ آزمائیاں توبہ
تیری نازک کلائیاں توبہ

جگرؔ

آستینوں کا وہ چڑھا لینا
گوری گوری کلائیاں توبہ

جگرؔ

دونوں کلائیاں دو پھُولوں کی ڈالیاں ہیں
گُل کھائے ہیں یہ میں نے خوبانِ گلبدن پر

آتشؔ

دیکھے جو تِل کسی کے نازک کلائیوں سے
بھونروں کو میں نے سمجھا شاخِ گُلِ سمن پر

آتشؔ

لچکتی ہے جو شاخِ گل میں اس غیرت پہ مرتا ہوں
کہاں دیکھا لچکنا اس نے اس نازک کلائی کا
امیر مینائی

گُلِ رنگیں ہے کوئی یا ترا دستِ حنائی ہے
کوئی یہ شاخِ رنگیں یا تیری نازک کلائی ہے
ظفرؔ

اللہ رے اس گل کی کلائی کی نزاکت
بَل کھا گئی جب بوجھ پڑا رنگ حنا کا
(عطیہ جناب اسلم بھٹی)

دستِ نازک

کیا سُبک نازک ملائم ہاتھ ہیں
پھول ہیں کچھ مخملی رومال میں

خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
غالب

سینے پہ میرے جب سے رکھا ہے ہاتھ تم نے
کچھ اور دردِ دل میں شدّت سی ہو گئی ہے
جوش

طلائی ہاتھ اُٹھے کس کے فاتحہ کے لئے
فضائیں ہو گئیں بے تاب التجا کے لئے
اختر شیرانی

عارفؔ کے کفن پہ نہ رکھو دستِ حنائی
کہ لوگ مسلماں کو جلایا نہیں کرتے
عارف بٹالوی

آرائش اہلِ حُسن کی جادُو سے کم نہیں
کس کس کا تیرے دستِ نگاری نے خوں کیا
آتش

تمہارے دستِ حنائی میں جامِ رنگیں ہے
نہا رہی ہے لہُو میں کسی کی جانِ عزیز
عارف بٹالوی

پھر مزاج اس رِند کا کیوں کر ملے
جس کو اس کے ہاتھوں سے ساغر ملے

آسی

صابر اشارہ ریز ہے ہنگامِ گفتگو
وہ دستِ بے حنا یدِ بیضا کہیں جسے

صابر

یقیں ہے دستِ رنگیں سے کریگا قتل تو مجھکو
کہ آتی ہے پسینے میں ترے مہندی کی بو مجھکو

بیخود دہلوی

کسی رِند کی حسرت نے مے جام سے چھلکا دی
کیوں دستِ حنائی میں تڑپا خطِ پیمانہ

وحید

لے کے خط اُن کا کیا ضبط بہت کچھ لیکن
تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں نے بھرم کھول دیا

جگر

متاعِ حُسن دونوں ہاتھ لوٹی
بندھی مٹھی کھلی قسمت حنا کی

نامعلوم

یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائیں غیر!
اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

نظام رامپوری

اسدؔ زندانیِ تاثیرِ الفت ہائے خوباں ہوں
خمِ دستِ نوازش ہو گیا ہے طوق گردن کا

غالب

تیرے دستِ حنائی سے جو کوئی بھی ہوا دو کش
دھرا انگارا اس خاطر ہے دستِ شاخ پہ گل کا

ظفرؔ

دستِ رنگیں کسی کا اے رحمانؔ
سرخ پھولوں کی شاخ ہے گویا

رحمانؔ

انگشت

ہو گئی یار کے ہاتھوں میں جو مہندی کالی
انگلیوں کو میں زبانِ گلِ سوسن سمجھا

دل سے مٹنا تیری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا
غالبؔ

کافی ہے نشانی تیری چھلّے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت
غالبؔ

طلائی انگلیوں کا جب مجھے قصّہ سُناتی ہے
تصوّر میں ستاروں کے سے پیکر کھینچ لاتی ہے
اخترؔ شیرانی

ہو گئی یار کے ہاتھوں میں جو مہندی کالی
انگلیوں کو میں زبانِ گلِ سوسن سمجھا
آتشؔ

سینہ

سینے میں جوانی کے اُبھرتے ہوئے طوفاں
کیا لغزشِ مستانہ ہے اے سروِ خراماں

امیر اُبھرا جو وہ جوبن ہلا دل کا پتہ مجھ کو
یہی دونوں اُچکتے چور تھے چوری یہیں نکلی
امیر مینائی

اب مزے اُٹھیں گے اُٹھتی ہے جوانی اُن کی
نخلِ اُمید سے دو پھل ہیں اُترنے والے
امیر مینائی

دل دھڑکتا ہے میرا دیکھ کے جوبن کا اُبھار
چوم لیں منہ نہ تمہارا یہ اُبھرنے والے
امیر مینائی

گیند اک میں نے جو پھینکی تو جھجک کر اُن نے
کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا
انشا

شباب آپ کا اب کسے دیکھتا ہے
امیر اُٹھ کے ہر بار جوبن کسی کا
امیر مینائی

اُڑا لے جاتے ہیں عاشق کے دل کو سینہ زوری سے
غضب کے دو اُچکے بھیس بدلے جوبن کے بیٹھے ہیں
امیر مینائی

ذرا جو توڑا موڑا اُن کی انگیا کو تو ہنس کے فرمایا
ہلادیں حسن کے گنبد کی دونوں بُرجیاں تُونے
اِنشا

دوپٹے کو آگے سے دُہرا نہ اوڑھو
نمودار چیزیں چھُپانے سے حاصل
بحر

رگ رگ میں کسک ہے کہ اک آئی ہوئی انگڑائی
شیشے کی جھلک ہے کہ لہکتا ہے گلستاں
فراق

لَو دیتا ہے کیا کیا یہ چراغِ تہِ داماں
ملبوس سے رنگینئ تن کھیل رہی ہے
فراق

کیا غضب ڈھائے ہیں آتے ہی جوانی نے تیری
دل بھی پتھر ہو گیا سینہ بھی پتھر ہو گیا
بیخود دہلوی

ترے سینے کی دھڑکن کا اشارہ پا لیا ہم نے
شبِ غم کو سلگنے کا سہارا پا لیا ہم نے
ذکریا ساجد

کمر

بدن جیسے کلیوں کا معصوم خواب
کمر یا کوئی شاخ لہرا گئی

رُوح کانپ اٹھی میری خنجر کے تیور دیکھ کر
جب کمر دیکھی تمہاری جان میں جان آ گئی

عارف بٹالوی

اگر میں نکتہ رسی سے تیرا دہاں پاؤں
کمر کو چاہوں تو اس کے تئیں کہاں پاؤں

میر درد

شک ہے کمرِ یار کے اُوپر رگِ جاں کا
کیسی رگِ گل رشتۂ باریک کہاں کا

آتش

وہ بل کھا کے اُٹھے ہیں قتل کرنے کو میں ڈرتا ہُوں
مجھی پر کچھ نہ کچھ الزام دھر دے گی کمر اُلٹا

طبا طبائی

مغرب نے خُردبیں سے کمر اُن کی دیکھ لی
مشرق کی شاعری کا مزا کرکرا ہوا

اکبر الہ آبادی

بھا گئی کونسی وُہ بات بُتوں کی ورنہ
نہ کمر رکھتے ہیں کافر نہ دہن رکھتے ہیں

ناسخ

عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش!
ہونے نہیں دیتا حسن کے راز کو فاش
کیوں وصل میں جستجو کمر کی وُہ کرے
حاضر ہیں نہ محبت اور نہ غائب کی تلاش

اکبر الہ آبادی

بندھی ہی رہتی شب و روز قتلِ عاشق پر
خدا کا شکر، بتوں کے کمر نہیں ہوتی

قوی

اور چل پھر لے ذرا تن تن کے اے بانکے جواں
چار دن کے بعد پھر ٹیڑھی کمر ہو جائے گی

نامعلوم

بال بھی، بال سے باریک بھی، معدوم بھی ہے
کیا کمر ہے، کمرِ یار کی ایسی تیسی

ذاکر دہلوی

دونوں میں ایک تو نظر آ جائے گی کبھی
چوٹی کے بوجھ سے کہیں دوہری کمر نہ ہو

نامعلوم

ہے کیا جو کَس کے باندھیئے میری بلا ڈرے
کیا جانتا نہیں ہوں تمھاری کمر کو میں!

غالبؔ

رفتارِ قیامت یونہی کیا کم تھی پھر اس پر
اک طرّہ ہے فتنہ تیری نازک کمری کا

حسرتؔ موہانی

کمر سے خجل رقصِ شعلہ کی موجیں
نظر سے فضائیں گلستاں گلستاں

فراقؔ

ہے تیری نزاکت میں کمر بال برابر
میں جانوں میاں فرق ہو گر بال برابر

ظفرؔ

پاؤں

اِس جبیں کو لُطفِ سجدہ کے لئے
تیرے قدموں پر جُھکانا ہی پڑا

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعدِ مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں
غالبؔ

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
دوام کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا
غالبؔ

نقشِ قدم یہ ہیں اُسی جانِ بہار کے
اِک پنکھڑی پڑی ہے لحد پہ گلاب کی
اصغرؔ

تیرے پازیب کی جھنکار کا آہستہ آہستہ
وہ دھیمی دھیمی لَے میں گیت برساتے ہوئے آنا
اختؔر شیرانی

پائے رنگیں اُس کا دھونے کے لئے
سلسبیلِ زر فشاں آنے کو ہے
اختؔر شیرانی

مَیں ہوا بیخودی میں سر بسجود
جب تیرے نقشِ پا کو دیکھ لیا
فرخؔ امرتسری

جہاں دیکھا کوئی نقشِ پائے حسیں ہم نے
جھکا دی بے تامل بے کہے اپنی جبیں ہم نے

بہزاد

خون ہوتا ہے دل کا یاں آہ!
مہندی پاؤں میں کیا لگی ایسی

میر درد

رُوئے گل دیدۂ بلبل سے گرا اے محبوب
رنگ مہندی سے جو تیرے کفِ پا کا دیکھا

آتش

اُس شوخ کے قدموں سے سرِ رہ تنویر لپٹ کر چلتی ہے
وہ جونہی میرے گھر آ نکلے ظلمت کے قدم تھرّاتے ہیں

تنویر سلیمانی

جہاں بیساختہ سر جھک رہا ہے
وہاں کوئی نہ کوئی نقشِ پا ہے

بہزاد

ہاں تیرے آستاں پہ تیرے پائے ناز پر
معراج مل گئی مجھے سجدے گزار کے

بہزاد

آج جھکتی نظر آتی ہے جبین کونین!
دیکھنا یار کے نقشِ کفِ پا کا نقشہ!
جگرؔ

تیرے نقشِ قدم کا ذرّہ ذرّہ
عبادت گاہِ جانِ عاشقاں ہے
جگرؔ

گزرا ہے دل و جاں سے اسی راہ میں کوئی
سجدوں کے نشاں پوچھ لو نقشِ کفِ پا سے
جگرؔ

حدودِ کوچۂ محبوب ہیں وہیں سے شروع
جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگاتے ہوئے
جگرؔ

خاک بیمارِ غمِ عشق کا اب کام چلے
پاؤں دُکھنے لگے جب اُٹھ کے دو دو گام چلے
جگرؔ

وہ کہہ رہے ہیں کہ باہر ہم آ نہیں سکتے
لگی ہے پاؤں میں مہندی چھڑا نہیں سکتے
نامعلوم

مَلی ہے پاؤں میں مہندی اُنھوں نے پہلے پہل
زمیں تو کیا ہے قدم عرش پر نہیں رکھتے
آتش

رنگینیوں کی جان ہے وہ پائے نازنیں
میری نگاہِ شوق جہاں سر کے بَل گئی
حسرت موہانی

بن جاتی ہے دل میں خلشِ خارِ تمنّا
جھنکار ترے پاؤں کے زیور سے نکلکر
حسرت موہانی

گرایا پائے ساقی پر نشے میں
ترا اے لغزشِ پا پوچھنا کیا
حسرت موہانی

جہاں تم نے قدم رکھا بنائے گلستاں رکھ دی
کہ ہر اک نقش میں رُوحِ بہارِ جاوداں رکھ دی
عارف بٹالوی

اُنہی سے قسمتیں زمیں کی جاگ اُٹھی ہیں فراقؔ
وہ پائے ناز جن سے آنکھیں ملتی ہیں
فراقؔ

بھیگے سے تیرا رنگِ حنا اور بھی چمکا
پانی میں نگاریں کفِ پا اور بھی چمکا
مصحفی

تمہارے نقشِ کفِ پا کے بوسہ لینے کو
زمیں پہ سایہ کی مانند آفتاب آیا
ظفر

پائل کی جھنکار میں گُم ہے!
وقت بھی ہے اِک دیوانہ سا
غافل کرنالی

گونجتی ہیں رہ رہ کر پائلوں کی جھنکاریں
دُور دُور تک موسم رنجھانے لگتا ہے
قتیل شفائی

اشک

تمام عالمِ محسوس کانپ اُٹھتا ہے
جب آنکھ سے کہیں آنسو بہائے جاتے ہیں

اشک کب آنکھ میں نہیں ہوتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا

میر تقی

پھکا جاتا ہے دل اشکوں کی طغیانی نہیں جاتی
بلا کی آگ ہے پلکوں سے بھی چھانی نہیں جاتی
بساطِ اشک سے شعلہ بدامانی نہیں جاتی
ملی یوں آگ پانی میں کہ پہچانی نہیں جاتی

منشی دل

ایک آنسو کہہ گیا افسانۂ دردِ نہاں
ہائے مارِ آستیں کو بے زباں سمجھا تھا میں

خمار

اشک خوں آلودہ آنکھوں میں نمایاں ہو گیا
دیکھئے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہو گیا

اکبر

دل نہ پہنچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا

میر تقی

ہے بہارِ گل و لالہ میرے اشکوں کی نمود!
میری آنکھوں نے کھلائے ہیں گلستاں کیا کیا
اختر شیرانی

رات کے آنسو اسے ساغر پھولوں میں بھر جاتے ہیں
صبح چمن اس پانی سے کلیوں کا مُنہ دھوتی ہے
ساغر نظامی

تم ایسے ناز پرودہ کو میں کس طرح سمجھاؤں
کہ دل کا خون ہو جاتا ہے تب آنسو نکلتے ہیں
عندلیب شادانی

عارضِ گلگوں پہ اشکِ گوہریں یاد آ گئے
خوں ہوا جاتا ہے دل پھولوں پہ شبنم دیکھ کر
عندلیب شادانی

دل دُکھے روئے ہیں شاید اس جگہ اے کوئے دوست
خاک کا اتنا چمک جانا ذرا دُشوار ہے
فراق

میں نے روکا رات غالبؔ کو وگرنہ دیکھتے
اس کے سیلِ گریہ میں گردُوں کفِ سیلاب تھا
غالب

گریہ چاہے ہے خرابی میرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

غالبؔ

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

اصغرؔ

اپنی تو یوں تمام ہوئی کائناتِ غم
دو اشک تھے سو دیدۂ تر سے گزر گئے

شکیلؔ

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو
ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

غالبؔ

عظمتِ گریہ کو کوتاہِ نظر کیا سمجھے
اشک اگر اشک نہ ہوتا تو ستارا ہوتا

اخترؔ شیرانی

آنسو نکل رہے ہیں تصوّر میں بن کے پھول
شاداب ہو رہا ہے گلستانِ آرزو

اخترؔ شیرانی

مجھے پھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں
اقبالؔ

وہ اشک جو پلکوں پہ تیری کانپ رہا ہے
ہے اصل میں ٹوٹے ہوئے اک دل کا سہارا
اخترؔ حزیں

انہیں آنسو سمجھ کر یوں نہ مٹی میں ملا ظالم
پیامِ دردِ دل ہے اور آنکھوں کی زبانی ہے
جگرؔ

جو مجھ پہ گزری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم
چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری
اصغرؔ

روانی رنگ لائی دیدۂ خونابہ افشاں کی
اُتر آئی ہے اِک تصویر دامن پر گلستاں کی
اصغرؔ

تھا لطفِ جنوں دیدۂ خونابہ فشاں سے
پھولوں سے بھرا دامنِ صحرا نظر آیا
اصغرؔ

پلکوں کے ساتے ہیں کچھ آنسو اٹک رہے ہیں
جیسے کہ جھاڑیوں میں جگنو چمک رہے ہیں
عارف بٹالوی

شمع کا عکس جھلکتا ہے جو ہر آنسو میں
بن گئے بھیگی ہوئی رات کے تارے آنسو
اختر شیرانی

آنسو تو بہت سے ہیں آنکھوں میں جگر لیکن
بندھ جائے تو موتی ہے رہ جائے سو دانہ ہے
جگر

چشمِ پُر آب اس کا بھی تجھ کو خیال ہے
اشکوں سے بڑھ نہ جائے کہیں شانِ آرزو
بہزاد

نمناک انکھڑیوں پہ فدا کائناتِ دل!
تارِ نظر میں اشک پروئے ہوئے ہو تم
بہزاد

مہتاب سے رخسار پہ ٹھہرے ہوئے آنسو
ہے پھول کی پتی پہ دمکتی ہوئی شبنم
عارف بٹالوی

ہے اِک داغِ دل ایک اشکِ ندامت
متاعِ غمِ مختصر اللہ اللہ!

بہزاد

دامن پہ گرا بیٹھے اشکِ سرِ مژگاں کو
ہم قصۂ ہستی کا ارمان لٹا بیٹھے

بہزاد

کیسی شبنم؟ پتّے پتّے پہ چمن کے اشک ہیں
چرخ بھی روتا رہا ہے رات بھر میرے لئے

بہزاد

جو چھپ چھپ کر نہ روؤں راز پنہاں رہ نہیں سکتا،
کہ میرے آنسوؤں میں رنگ ہے میری طبیعت کا

طباطبائی

گرمیٔ اشک سے مانندِ شراب
آب و آتش کو بہم کیجئے گا

میر درد

وہ اشک نکلتا ہے میری چشم سے جس کا
ہر قطرہ کم از پارۂ الماس نہیں ہے

میر درد

آنکھوں کی رَہ ہر دم اب خونِ دل رواں ہے
جو کچھ ہے میرے دل میں منہ پہ میرے عیاں ہے

میر درد

لختِ جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہ گئے
کچھ پارہ ہائے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے

میر درد

مستقل روتے ہی رہئے تو بجھے آتشِ دل
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں

میر درد

لب پہ ہے قفلِ خموشی مگر آنکھوں سے
حسرتِ دید ٹپک پڑتی ہے آنسو ہو کر

نظم طباطبائی

سبزہ پہ چاندنی کے بادل برس رہے ہیں
یا کوئی حورِ جنت آنسو بہا رہی ہے

اختر شیرانی

اظہارِ حال کر نہ سکا میں تو رو دیا
بے اختیار ہو کے یہ طرز اختیار کی

شمس عظیم آبادی

نہیں معلوم کس کس کا لہُو پانی ہوا ہو گا
قیامت ہے سرشک آلود ہونا تیری مژگاں کا
غالبؔ

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں
شیفتہؔ

ابرِ تر آئے دو گھڑی دیکھے
دیدۂ اشک بار کا عالم
شاطرؔ

آنکھوں کے ساتھ دل سے نکلتا ہے خونِ گرم
پانی میں کس طرح یہ شرارے نہاں رہے
سیمابؔ

یہ روشنی ہے بہت زیست کی نمو کے لئے
کہ جل رہے ہیں نگاہوں میں آرزو کے چراغ
جالبؔ

اشکوں کو میرے لے کر دامن پہ ذرا جانچو
جم جائے تو یہ خوں ہے بہ جائے تو پانی ہے
بہزادؔ

گر رہے ہیں اپنے دامن پر جو آنسو بار بار
یہ وہ موتی ہیں کہ جن کو ہم پرو سکتے نہیں
بہزاد

اک آن سنبھلتے نہیں اب میرے سنبھالے
بے طرح کچھ ان آنسوؤں نے پاؤں نکالے
میر درد

بازی بدی تھی اُس نے مری چشم تر کے ساتھ
آخر کو ہار کے برسات رہ گئی
میر درد

رونے کو میرے تولے ہے وہ نظروں ہی
اس گوہرِ اشک کی بھی رتی چمکی!
میر درد

اشکوں نے فسانہ کر دیا ہے
وہ لفظ کہ آ سکا نہ لب پر
شہرت بخاری

دل میں ہے میرے درد تو آنکھوں میں ہیں آنسو
ارماں تہِ خوں ہیں تہِ آب نگاہیں
بہزاد

کہہ رہا ہے شرحِ دردِ دل زبانِ زار سے
آہ وہ آنسو جو اب تک دیدۂ بسمل میں ہے
ثاقب کانپوری

آنکھ تھی ساقی کی جانب ہاتھ میں جامِ تہی
مے تو قسمت میں کہاں اشکوں نے ساغر بھر دیا
آرزو

آنکھ چرائیں جس طرح تارے اندھیری رات میں
غم کی زیادتی تو دیکھ آنسوؤں کی کمی تو دیکھ
فراق

بہا کے ہجر کی راتوں میں نقرئی آنسو
بکھیر دی ہے تمنا کی چاندنی میں نے
باقی صدیقی

رونے سے ہو رہی تھی فزوں اور دل کی آگ
پانی سے اُٹھ رہے تھے شرر کچھ نہ پوچھئے
نکہت نوری

دل جو ٹھنڈا ہو گئے آنسو رواں!
اک ندی آنکھوں سے خوں کی بہ گئی
بہزاد

دیکھیئے تو قیامِ غم نہ رہا
غم کی دَولت لُٹا گئے آنسُو
میرے غم کا اُنہیں ہُوا احساس
غم کی عزّت بڑھا گئے آنسُو
بہزاد

خبر بھی ہے تمہیں اشکِ مسلسل دیکھنے والو
یہی موتی وہ ہیں جن کو لیئے پھرتا ہوں دامن میں
بہزاد

ہیں آنکھوں سے ہر وقت آنسُو رَواں
مَیں رِستا ہُوا ایک ناسُور ہوں
بہزاد

دلِ بیتاب کی آنکھوں میں اک تصویر کھِچ آئی
ابھی اک اشک تھرّا کر گرا ہے نوکِ مژگاں سے
نخشب

لَو شمع کی نِکلتی ہے ان آنسوؤں کے ساتھ
پانی میں ہے یہ آگ لگانا بُہت بُرا
اِنشا

اب اشکِ مسلسل سے میرے قلب کی حالت
سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی مانے کہ نہ مانے
بہزاد

میری آنکھوں کا ہر آنسو طلسمِ زندگانی ہے
جھلک اُٹھے تو موتی ہے ٹپک جائے تو پانی ہے
سیمابؔ

آنسوؤں نے راز جب ظاہر کیا
حالِ دل اُن کو بتانا ہی پڑا
بہزاد

رک ہی جاتے وہ آکے پلکوں تک
ہم جو اشکوں کی آبرو کرتے!
بہزاد

ساری چمک دمک اِنہی موتیوں سے ہے
آنسو نہ ہوں تو عشق میں کچھ آبرو نہ ہو
امیر مینائی

کیا اُنہیں سچ مچ میرے حال پہ رنج تھا قاصد
تو نے دیکھا ہے ستارہ سرِ مژگاں کوئی
اصغر

تصویر اُن کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے
بچّہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

جان

آتے آتے آنکھ تک پانی ہوا دل کا لہو
شیشے سے اُنڈلا تھا کیا ٹپکا ہے پیمانے سے کیا

آرزو

خونِ دل سے بھر دئیے رو رو کے جام
آبرو کھو دی سپے جامِ شراب

حافظ شیرازی

یہ اشکِ تاک ہے کہتے ہیں جسکو آبِ طرب
یہ خونِ گل ہے جسے سب گلاب کہتے ہیں

انیس

اِسی خیال سے مَیں اپنے پی گیا آنسو
کہ مِل نہ جائیں کہیں خاک میں جگر پارے
کبھی نہ کرتا انہیں ضبط گر خبر ہوتی
رگوں میں جاتے ہی بن جائیں گے یہ انگارے

عارف بٹالوی

چپکے چپکے ساری دُنیا کو سُنا دی دل کی بات
آجتک ان آنسوؤں کو بے زباں سمجھا تھا میں
عارف بٹالوی

کتنے معصوم ہیں بظاہر اشک
دل کو میرے جلا کے نکلے ہیں
عارف بٹالوی

شاید بیانِ فسانہ ہو نہ دلِ حزیں سے
پڑھ لیجئے عبارت اس بھیگی آستیں سے
عارف بٹالوی

نگاہوں میں اُمڈ آئے ہیں آنسو
بھنور میں پھر تلاطم ہو رہا ہے
عارف بٹالوی

جمایا رنگ ایسا آنسوؤں نے
سمجھتا ہوں کہ برساتیں چلیں ہیں
نظر

ڈبڈبا آئے تھے آنسو الوداعِ دوست پر
دل تہی ہو کر بھی اِک چھلکا ہُوا پیمانہ تھا
فراق

پھر سر شک خوں ہوئے آئینہ دار روئے یار
پھر میری آنکھیں گلستاں در گلستاں ہو گئیں

فراقؔ

میں ہر آنسو کو اپنے گوہرِ یکتا سمجھتا ہوں
سنا ہے سات پردوں سے یہ قطرے چھن کر آتے ہیں

سیمابؔ

جدھر نگاہ اٹھی سیرِ شبنمستاں ہے
فراقِ حسنِ جہاں پر ہے آنسوؤں کا کفن

فراقؔ

اشک سا دیدۂ انجم میں جھلک جاتا ہے
یہ بھی اک راز ہے انسان کی قسمت کی طرح

فراقؔ

میری آنکھوں کے پیمانے مگوں معلوم ہوتے ہیں
مجھے طوفاں بدامن اشکِ خوں معلوم ہوتے ہیں

صابرؔ

ہماری قبر پہ ابرِ شفق آلود تو دیکھو
بہاتا ہے فلک بھی اشکِ خوں خاکِ شہیداں پہ

صابرؔ

اُن کی چشمِ مست سے آنسو ٹپک کر رہ گئے
ساغرِ لبریزِ مے گویا چھلک کر رہ گئے
وآلی

یہی اشکِ ندامت میری بخشش کا سبب ٹھیرے
انہی موتی کی لڑیوں سے بِلی ہے آبرو مجھ کو
بیخودؔ دہلوی

دل بہا اشکوں میں کب اس کی خبر تک بھی نہیں
خون کے قطرے کو بحرِ بیکراں سمجھا تھا میں
وحیدؔ

مایوس انتظار سراپا لرز گیا
اشکوں پہ نورِ صبح کے آثار دیکھ کر
وحیدؔ

روتے روتے آنکھ میں آنسو کی بوند
گوہرِ نایاب بن کر رہ گئی
وحیدؔ

کی وحیدؔ کے اشکوں نے عجب نور فشانی
ہر ذرہ ستارا ہے تیری راہگذر کا
وحیدؔ

اے چارہ ساز یہ تو بتا اس کا کیا علاج!
آنسو تھمے تو درد جگر میں سوا ہوا
بیخود دہلوی

اُس سنگدل کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے
رحمت کا ہے نزول ہمارے مزار پر
بیخود دہلوی

آنسو کا قطرہ قطرہ موجِ حیات نکلا
لختِ جگر کسی میں خونِ جگر کسی میں
سیماب

فرقت میں آنسوؤں کے دریا بہا رہا ہوں
موجیں بڑھا رہا ہوں طوفانِ زندگی میں
سیماب

گدازِ عشق نے تحلیل کی ہیں حسرتیں لاکھوں
وہ ہر آنسو میں دل کی اِک نئی تصویر دیکھینگے
سیماب

امیرِ کارواں کچھ آنسوؤں سے کام لے اپنے
وہ چھینٹا دے کہ رُوحِ کارواں بیدار ہو جائے
سیماب

گوہرِ اشک کو خونابہ بہ جیب ہاں دیکھا
دلِ خوں گشتہ کو سیلاب بداماں دیکھا
سیماب

شرم رکھ لی شامِ فرقت میری ضبطِ شوق نے
ہائے وہ آنسو جو سوزِ دل کا درماں ہو گیا
سیماب

بہارِ باغ کو ہے رنج بے ثباتی کا
کہ چشمِ گل میں نمودار اشکِ شبنم ہے
حسرت موہانی

بڑی مشکل سے کچھ تسکین کے پہلو نکلتے ہیں
جگر پھٹتا ہے جب آنکھوں سے دو آنسو نکلتے ہیں
سیماب

اے یادِ یار آج بہ عنوانِ سیلِ اشک
کتنے خیال دیدۂ تر سے گزر گئے
ضمیر جعفری

شامِ فراق بھی میری آنکھیں چمک اٹھیں
تارے اُتر کے دامنِ مژگاں میں آ گئے
شوکت رضوی

گرتے گرتے ایک طوفانِ قیامت زا ہوا
وہ جو اِک آنسو مژہ پر تھا میری ٹھہرا ہوا
جگرؔ

انھی میں رازِ محبت کسی کا پنہاں تھا
جو خشک ہو گئے آنسو مژہ تک آتے ہوئے
جگرؔ

یاد ہیں اُس گُلِ رعنا کی جو آنسو نکلے
بن گئے دیدۂ خونابہ فشاں کی رونق
حسرتؔ موہانی

جب یاد آپ صحنِ گلستاں میں آ گئے
شبنم سے اشک دیدۂ حیراں میں آ گئے
شوکتؔ رضوی

اشک خونیں ہیں بادۂ گلگوں
دیدۂ پُرخوں ایاغ ہے اپنا
ظفرؔ

اشکِ شبنم تازگیِ شاخِ گُل کی جان ہے
زندہ ہے ان موتیوں سے رونقِ فصلِ چمن
عارفؔ ٹالوی

تبسّم

اے دوست جھلکتی ہیں ابھی تک وہ فضائیں
جن میں تھا کھِلا تیرے تبسّم کا گلستاں!

تم نے ہر ذرّے میں برپا کر دیا طوفانِ شوق
اِک تبسّم اس قدر جلووں کی طغیانی کے ساتھ

علی اختر

برقِ تبسّمِ نہاں کوندتے کوندتے رُکی
درد سا اُٹھ کے رہ گیا سینۂ کائنات میں

فراق

اِک برق سرِ طور ہے لہرائی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی

فانی

دامن ہے ٹکڑے ٹکڑے ہونٹوں پہ ہے تبسّم
اک درس لے رہا ہوں پھولوں کی زندگی سے

شکیل

یُوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کُشا ہوئے کہ گلستاں ہنسا دیا

اصغر

تبسّم کی ادا سے زندگی بیدار ہو جائے
نظر سے چھیڑ دے رگ رگ مری ہشیار ہو جائے

اصغر

ہاتھ میں لے کے جام مے آج وہ مسکرا دیا
عقل کو مست کر دیا روح کو جگمگا دیا

اصغر

بہاریں سمٹ آئیں کھل جائیں کلیاں
جو ہم تم چمن میں کبھی مسکرا دیں

اختر شیرانی

فطرت نے اس طرح سے کچھ اُن کو گدگدایا
رازِ چمن گلوں نے سب کہہ دیا ہنسی میں

ذکیہ اکبرآبادی

پھر تابشِ تبسمِ جاناں کے سامنے
کھلنا کلی کو باغ میں دشوار ہو گیا

جوش

یہ دیکھتا ہوں تیرے زیرِ لب تبسم کو
کہ بحرِ حسن کی اک موجِ بے قرار نہ ہو

اصغر

کہ نظریں ملیں وہ کوئی مسکرایا
ابھی مٹ گیا تھا ابھی بن گیا ہوں

بہزاد

اشکوں پہ گراتے ہوئے تم برقِ تبسم!
پانی میں ذرا آگ لگاتے ہوئے آئے
بہزاد

خراب کر دی ناہوش وحواس کی دنیا
یہ کیا کیا کہ مجھے مسکرا کے دیکھ لیا
بہزاد

نہیں ہوتا مداوائے غمِ پنہاں نہیں ہوتا
بظاہر ہنس لیا جاتا ہے دل خنداں نہیں ہوتا
خمار

چھپا رہا ہوں تبسم میں رازِ ناکامی
گزر رہی ہے جو دل پہ کسی کو کیا معلوم
اشک

کون یہ مسکرا دیا
جھوم اٹھی ہے کائنات
رفعت سلطان

اُف وہ ہلکا سا تبسم میری عرضِ شوق پر
حسن کی خاموش لہروں پہ بہا جاتا ہوں میں
رسوا

تیری ہلکی سی مسکراہٹ سے
پھر تمنا جواں نہ ہو جائے

رسوا

اُٹھے تم مشرق سے خورشید نکلا
ہنسے تم تو ساری فضا مسکرا دی

نامعلوم

کبھی اظہارِ غم کے موقع پر
کام آجاتا ہے تبسم تک

نامعلوم

میرے سامنے پھول جب مسکرائے
تمہاری قسم تم بہت یاد آئے

رسوا

گلوں کو آج مجسم بہار دیکھ لیا
ترے لبوں کو مجسّم کنار دیکھ لیا

شاطر

ہنسی بھی آئی تو ہونٹوں پہ روک لی میں نے
بہت قریب سے دیکھی ہے زندگی میں نے

باقی صدیقی

میں اس ادا کو نہ کیوں جسمِ دائمی کر لوں
ٹھہر کہ کھینچ لوں تصویر مسکرانے کی

نخشب

ہے مسلسل بوندوں پر موتی کی لڑیوں کا گماں
جھلملاتی ہے فضا میں دُور اِک بجلی کہیں
یہ سماں ایسا ہے اِک محوِ خیالِ یار کو
مسکرائے جس طرح چلمن سے کوئی نازنیں

نخشب

چلا آ تبسم کناں زیرِ لب
اُمیدوں کے غنچے کھلاتا ہوا

بہزاد

چھُری بھی پھیر دی گردن پہ مسکرا بھی دیا
بہایا خون بھی قاتل نے خوں بہا بھی دیا

نامعلوم

غمِ نہاں کا تصرّف ارے معاذ اللہ
ہنسی کا خون ہے لب پر میرے ہنسی کیا ہے

خمار بارہ بنکی

آئینہ مقابل ہے ہنسی آئی ہوئی ہے
اِک موج سی طوفان پہ لہرائی ہوئی ہے

عارف بٹالوی

نمودِ صبحِ روشن ہے جہاں میں
کہ سامانِ تبسم ہو رہا ہے

عارف بٹالوی

برق ڈھلتی ہے اس تبسم میں
بجلیوں سے مجھے خطاب نہ کر

قیوم نظر

یہ مست ادائیں ہیں کہ کعبے پہ گھٹا چھائی
یہ موجِ تبسم ہے کہ مندر میں چراغاں

فراق

ربِّ اعجاز کی تجھ کو قسم اے جانِ بہار
اِک تبسم کہ گلستاں کو گلستاں کر دے

فراق

گُل بہاریں رنگ و بُو کی کھچ کے مرکز کی طرف
شوخیٔ برقِ تبسم ہائے پنہاں ہو گئیں

فراق

صباحتِ رُخِ رنگیں بہارِ صبحِ وطن
کھلا ہوا ہے تیری مسکراہٹوں کا چمن
فراق

تصورِ دمبدم آکر مجھے برباد کرتا ہے
کسی کا مسکرانا بجلیاں ایجاد کرتا ہے
صابر

وہ مسکراتے ہوئے کیا نظر ملا کے چلے
کہ دل اُڑا کے چلے بجلیاں گرا کے چلے
صابر

تیرا تکلم بہارِ ساماں ہے جس پہ بلبل بھی چاک داماں
تیرے تبسم پہ لوٹ کلیاں گلوں میں چرچا تری ہنسی کا
وحید

تبسم گریۂ گل بن رہا ہے.
مآلِ شادمانی دیکھتا جا
وحید

اس طرح دیکھا کسی نے مسکرا کر اے پیام
ہم مسلماں بندۂ دیر و کلیسا ہو گئے
پیام

شبِ غم اے تصوّر اُن کو مجبورِ تبسم کر
مرتب اس اُجالے میں ہم اپنی داستاں کر لیں
سیماب

بے پردہ جلوہ گر ہو گُل خانۂ نمو سے
او مسکرانے والے کھلتی ہوئی کلی میں
سیماب

تمہارے ان حسیں ہونٹوں میں مرکز ہے تجلّی کا
جہاں ہنس دو وہیں ہنگامۂ انوار ہو جائے
سیماب

میری نظروں میں نشتر بھر رہے ہو
یہ تم ہنس ہنس کے باتیں کر رہے ہو
سیماب

یارب مآل اُن کے تبسّم کا ہو بخیر
بجلی تڑپ رہی تھی کہیں گر پڑی نہ ہو
سیماب

وہ جانا وہ مسکرا کے تیرا کل رات
جیسے کچھ جھلملا کے تارے چھپ جائیں
فراق

آئینہ نیلگوں سے پھوٹی ہے کرن
آکاش پہ ادھ کھلے کنول کا جوبن
یوں اودی فضا میں لہلہاتا ہے شفق
جس طرح کھلے تیرے تبسّم کا چمن

فراقؔ

اے غنچۂ صباح نہ یوں مسکرا کے دیکھ
واقف ہیں ان کے خندۂ ناز آفریں سے ہم

جوشؔ

یہ حنا کا رنگ شکستہ ہے میری حسرتوں کا یہ خون ہے
یہ گلاب کی سی جو سرخیاں ہیں تیرے تبسّم ناز میں

جوشؔ

نقاب اٹھا جوئے جانستاں سے دلوں کی دنیا میں ہو اجالا
اداس ذرّوں پہ مسکرا کر نگاہ کہ آفتاب کردے

جوشؔ

چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا اتنا بیدرد کیوں ہے انساں
تیری نگاہوں میں ہے تبسّم شکستہ ہونا میرے سبو کا

اقبالؔ

ذرا روکے ہوئے موجِ تبسم ہائے پنہاں کو
ابھی یہ سے اُڑیں گی بجلیاں تارِ رگِ جاں کو

اصغر

بدنام ہو نہ جائیں تیری مسکراہٹیں
حالانکہ احتیاط میری چشمِ تر میں ہے

ہادی مصطفیٰ آبادی

مجبوریوں پہ ڈالے ہیں پردے
میری ہنسی ہے مانگے کا زیور

عندلیب شادانی

اب تک ہے دل میں روشنی سی
اس نے کہا تھا کچھ مسکرا کر

عندلیب شادانی

نظر ملا کے میرے پاس آ کے لُوٹ لیا
نظر ہٹی تھی کہ پھر مسکرا کے لُوٹ لیا

جگر

اس کی اِک موجِ تبسم جو نمایاں ہو جائے
دل کا ہر ذرّہ بے کیف خمستاں ہو جائے

جگر

اب کیا امید رکھوں اے حسنِ یار تجھ سے
تو لے تو مسکرا کر دیوانہ کر دیا ہے
جگر

وہی قیامت ہے قدِ بالا وہی ہے صورت وہی سراپا
لبوں کو جنبش نگہ کو لرزش کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
جگر

یہ موج دریا یہ ریگ صحرا یہ غنچہ و گل یہ ماہ و انجم
ذرا جو وہ مسکرا دیئے ہیں یہ سب کے سب مسکرا دیئے ہیں
جگر

اُن کے ہنس دینے سے خود بھی مسکرا کر رو دیا
اِک غریب اپنا مقدر آزما کر رو دیا
آرزو لکھنوی

یوں مسکرا دیئے ہو کہ دل کو نہ کل پڑے
کیا چاہتے ہو منہ سے کلیجہ نکل پڑے
جوش

مار ڈالا مسکرا کر ناز سے
ہاں میری جاں پھر اسی انداز سے
جلیل مانکپوری

یہ ہنسی اچھی نہیں یاں دل پہ بجلی گر پڑی
نیچی نظروں سے میری جاں مسکرانا چھوڑ دے

طاہر

صدقے تمہارے ہونٹوں کے جن پہ ہنسی نہیں
اس ضبط کے نثار کہیں گدگدی نہیں

ریاض

دل لے کے کرے اُنکی بلا بات کسی سے
فرصت ہی نہیں بات کی ہونٹوں کو ہنسی سے

بیخود دہلوی

مچل گیا دلِ شیدا تو پھر قیامت ہے
نہ مسکرا کے کہیں دیکھنا خدا کے لئے

بیخود دہلوی

عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا
چشم بد دُور آپ کو بجلی گرانا آگیا

اکبر الہ آبادی

آتے آتے تیرے لب پہ وہ تبسّم بن جائے
اس ادا سے کبھی ہم سے بھی ہو ہنسی کوئی

ریاض

نہ کیونکر بس مُوا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر
وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں ہیں کہہ کہہ کر

مؤمن دہلوی

نکلا جو چاند ابر سے یاد آگیا مجھے
وہ تیرا ہنسنا پردے سے منہ کو نکال کے

نامعلوم

غنچہ سے مُسکرا کے اُسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

سودا

ہم گئے تھے اس سے کرنے شکوہ دردِ فراق
مسکرا کر اُس نے دیکھا سب گلہ جاتا رہا

جوش

محفل میں تیری آ کے ہم لُٹ گئے ستمگر
ہنس ہنس کے لے لیا دل صدقے تیری ہنسی کے

نامعلوم

کسی کی زیست سے مطلب نہ جان جانے سے
اُنہیں تو کام ہے محفل میں مسکرانے سے

مائل دہلوی

تبسم ہے وہ ہونٹوں پہ جو دل کا کام کر جائے
انہیں اس کی نہیں پروا کوئی مرتا ہے مر جائے
جوش

قاتل نے بعدِ قتل میرے مسکرا دیا
کیا خوب خوں بہا کے مجھے خوں بہا دیا
خلیل بڑولی

تیرے ہونٹوں پہ تبسم کی وہ ہلکی سی لکیر
میری تخئیل میں رہ رہ کے جھلک اٹھتی ہے
ساحر لدھیانوی

میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں
وہ تبسم وہ تکلم تیری عادت ہی نہ ہو
ساحر

قیامت ہے کسی کا ہنس کے آنچل کو الٹ دینا
کسی کا یک بیک محرومِ عقل و ہوش ہو جانا
صابر

رہ گئی اک مسکراہٹ سی شکیل
جذب ہو کر اس لبِ خاموش میں
شکیل

مسکراتا ہوا جب کوئی حسیں آتا ہے
اے خدا تیری خدائی کا یقیں آتا ہے

نامعلوم

تبسم کی سزا کتنی کڑی ہے
گلوں کو کھل کے مرجھانا پڑا ہے

عدم

برس جاتے ہیں موتی برق سی اک کوند جاتی ہے
کچھ اس انداز سے وہ مسکرا کر جام لیتے ہیں

جوش

بجلی کے سمندر میں خفیف اٹھی ہیں موجیں
یا اس لب رنگیں پہ تبسم کی حنا ہے

جوش

دلوں کو تیرے تبسم کی یاد یوں آئی!
کہ جگمگا اٹھیں جس طرح مندروں کے چراغ

فراق

تکلم ہے تیرا یا شعلۂ وادیٔ ایمن ہے
تبسم زیرِ لب ہے یا کلی کھلتی ہے جنت کی

اصغر

شوخی

ذرا اُن کی شوخی تو دیکھئے لئے زُلفِ خم شدہ ہاتھ میں
مرے پیچھے آ کے دبے دبے مجھے سانپ کہہ کے ڈرا دیا

آفت کی تانک جھانک قیامت کی شوخیاں
پھر چاہتے ہو ہم سے کوئی بدگماں نہ ہو
داغ

کیا کہوں اس کی خرامِ ناز کی میں شوخیاں
دو دو انگل پہ ادا بالشت بھر پر ناز ہے
ظفر

میرے کوچے میں وہ کن شوخیوں سے جا بجا ٹھہرے
بڑھے بڑھ کر تھمے دم بھر چلے چل کر ذرا ٹھہرے
داغ

پردہ کی خیریت نہیں اس چھیڑ چھاڑ میں
یہ شوخیاں ستم ہیں کھڑے ہو گئے آڑ میں
آرزو

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
داغ

اس سے بھی شوخ تر ہیں اس شوخ کی ادائیں
کر جائیں کام اپنا لیکن نظر نہ آئیں
جگر

ملنے کا وعدہ منہ سے تو اُن کے نکل گیا
پوچھی جگہ جو اُن سے کہا ہنس کے خواب میں
امیرؔ

پریشاں بال کرتے ہیں اُنہیں شوخی سے مطلب ہے
بکھرتا ہے اگر شیرازۂ عالم بکھر جائے
جوشؔ

غنچۂ ناشگفتہ کو دُور سے مت دکھا کہ یُوں
بوسہ کو پوچھتا ہُوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یُوں
غالبؔ

یہ جو سر نیچے کئے بیٹھے ہیں
جان کتنوں کی لئے بیٹھے ہیں
جلیلؔ

کیا رُک کے وہ کہے ہے جو ٹک اُس سے لگ چلوں
بس بس پرے ہو شوق یہ اپنے تئیں نہیں
جرأتؔ

در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسے پھر گیا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھُلا
غالبؔ

بلائیں لیکے پوچھا ہم نے ان سے کہئے کیا سمجھے
وہ پہلے مسکراتے پھر کہا تجھ سے خدا سمجھے

بیخود دہلوی

اُنہیں منظور اپنے زخمیوں کو دیکھ آنا تھا
گئے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

غالب

کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں

غالب

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال
کہ یہ کہے کہ سرِ رہ گذر ہے کیا کہیئے

غالب

چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

غالب

دیکھوں جرأت اس کو تو کہتا ہے یہ منہ پھیر کے
کن بُری آنکھوں سے دیکھے ہے یہ سودائی مجھے

جرأت

مے کش ہوں وہ کہ پوچھتا ہوں اُٹھ کے حشر میں
کیوں جی شراب کی ہیں دکانیں یہاں کہیں
رندؔ

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی میرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے
مومنؔ

مر گئے عاشقِ نالاں تو کہا اس بُت نے
سو گئے فتنۂ محشر کے جگانے والے
صباؔ لکھنوی

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عُمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
غالبؔ

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حُور نہیں
غالبؔ

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سُوجھا ہے
ہجومِ حشر میں لے آتے ہیں پلا کے مجھے
ریاضؔ خیرآبادی

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیئے غیر سے تہی
سُن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یُوں

غالبؔ

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پاؤں
رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں

غالبؔ

سر اُڑانے کے جو وعدے کو مکرّر چاہا!
ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہمکو

غالبؔ

پینس میں گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے
کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

غالبؔ

یہ بھی اِک ستم تھا کہ خواب میں مجھے شکل اپنی دکھا گئے
کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو وہ اس طرح سے جگا گئے

جعفر علی حسرتؔ

تصویر میں نے مانگی تھی شوخی تو دیکھئے
اِک پھول اُس نے بھیج دیا ہے گلاب کا

عندلیب شادانیؔ

یہ نازِ حُسن تو دیکھو کہ دِل کو تڑپا کر!
نظر ملاتے نہیں مسکرائے جاتے ہیں

جگرؔ

کِس لُطف سے جھنجلا کے وہ کہتے ہیں شبِ وصل
ظالم تیری آنکھوں سے گئی نیند کدھر آج

امیرؔ مینائی

حُسنِ شگفتہ رُو کی اَللہ رے اَدائیں
نظریں بھی ہیں مجھی پر پردہ بھی ہے مجھی سے

شکیلؔ

شرم میں بھی ہیں تیری پیرہے کی شوخیاں
آنکھ نیچی کی تو برقعِ رُخ سے اُونچا کر دیا

نامعلوم

شوخی تو دیکھ تیر کو سینے سے کھینچ کر
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا

مصحفیؔ

میرے شکوؤں پہ اُس نے ہنسکر کہا
کس نے کی تھی وفا جو ہم کرتے

عابد علی عابدؔ

اداؤں میں شوخی جھلکنے لگی !!
قیامت کو لے کر شباب آگیا

جگر

نہ دیکھے اور دلِ عاشق پہ پھر بھی نظر رکھے
قیامت ہے نگاہِ یار کا حسنِ خبرداری

حسرت موہانی

اب وہ شوخی سے یہ کہتے ہیں ستمگر ہیں جو ہم
دل کسی اور سے کچھ روز تو بہلا دیکھو

حسرت موہانی

سُن کے آئے ہیں کسی سے جو میرے شوق کا حال
پُوچھتے پھرتے ہیں سب سے وہ کہاں ہے گستاخ

حسرت موہانی

میری بیتابی کا سُن کر ہمدموں سے ماجرا
ہنس کے وہ کہنے لگے ہم نے تو دیکھا ہی نہیں

حسرت موہانی

گزرا جہاں سے میں تو کہا سُن کے یار نے
قصہ گیا، فساد گیا، دردِ سر گیا

دیاشنکر نسیم

بے نیازی

میری جو پُوچھتے ہو تو دیتا ہوں اُن پہ جان
ان کا یہ حال ہے کہ اِدھر دیکھتے نہیں

تم سے اُمیدِ پرسشِ غم تھی
مسکرا کر گزر گئے تم بھی

اقبال صفی پوری

بے مہر التماس تمنّا پہ ہنس پڑا
کتنے خجل ہوئے نگہِ التجا کے بعد

آغا حشر

میں اُنہیں زندگی سمجھتا ہوں
وہ میری زندگی پہ ہنستے ہیں

شاہد نصیر

وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونپی ہے میرے گھر کی دربانی مجھے

غالب

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی!
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

داغ

نہ مُڑ کے ہی بے درد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

آتش لکھنوی

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
غالب

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دل اور آپ فرمائیں گے کیا
غالب

اُس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے
جگر

چھڑ گیا ذکر جو اُس بزم میں ہمسایہ تیرا
کس نزاکت سے وہ بولے کہ ہمیں یاد نہیں
صابر

غور سے سب کچھ سُنا پھر مُسکرا کر کہہ دیا
کیا کریں ہم دلنشیں تیرا بیاں ہوتا نہیں
بیخود

کہا قاصد سے میرا حال سُن کر اُس نے مر جائے
اگر مر کر بلائے شامِ ہجراں چھوڑ سکتا ہے
بیخود

جب سے ٹھکرا دیا نشیمن کو
برق پر مسکرا رہا ہوں میں

وجد

چٹکی بھی دل میں لیتے ہیں پھر پوچھتے بھی نہیں
فرمایئے، بتایئے، کہہ دیجئے کیا ہوا؟

بیخود

آنکھیں کہے دیتی ہیں کہ دل صاف نہیں ہے،
ملتا ہے وہ اس رنگ سے گویا نہیں ملتا

بیخود

تیری بلا نگاہ کرے پائمال پر
تو دیکھ اپنی شوخیٔ رفتار کی طرف

بیخود

میں نزع میں ہوں کل سے لی تم نے خبر اچھی
آئے بھی تو کیا آئے دیکھا بھی تو کیا دیکھا

بیخود

اب وہ ساقی کی بھی آنکھیں نہ رہیں رندوں سے
اب وہ ساغر بھی چھلکتے نہیں میخانوں سے

فراق

اِک عجیب کشمکش ہیں میری جانِ ناتواں ہے!
نہ وہ مجھ پہ مہرباں ہے نہ وہ مجھ سے بدگماں ہے
حنیف صابری

میرا جنونِ شوق وہ عرضِ وفا کے بعد
وہ شانِ احتیاط تیری ہر ادا کے بعد
جگرؔ

میری رُوداد غم وہ سُن رہے ہیں
تبسم سا لبوں پر آ رہا ہے
جگرؔ

جب سے اُس نے پھیر لیں نظریں رنگِ تباہی آہ نہ پوچھ
سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت کیا کہئے

اِک بار تیر مار کے اب تک خبر نہ لی
یارب نگاہِ مست یہ کس بے خبر کی ہے
جگرؔ

ساری دنیا سے ہم انجان بنے جن کے لئے!
ہائے ہم سے وُہی انجان بنے بیٹھے ہیں
رنجور عظیم آبادی

اِک اِک کو جانتا ہے وہ عیار بزم میں
پر جانتا نہیں تو ہمیں جانتا نہیں

تصویر دہلوی

سو سو ہیں التفات تغافل میں یار کے
بیگانگی سے اس کی کوئی آشنا نہیں

یقین

مر گئے پھر بھی تغافل ہی رہا آنے میں
بیوفا پوچھے ہے کیا دیر ہے ہبجانے میں

ذوق

کترا کے نکل جاتے ہو کیوں راہ میں ہم سے
عاشق ہیں تمہارے کوئی رہزن تو نہیں ہیں

ذاکر دہلوی

اب ان سے سامنا ہوتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں
کہاں کی رسم اُلفت چھوڑ دی صاحب سلامت بھی

حامد

خبر نہیں اُنہیں اس کی کہ کون آیا ہے
ہم اُن کی بزم میں کیا خاک آ کے بیٹھے ہیں

بسمل بھوپالی

بے نیازی

جب ہو چکیں جفائیں تو پہچانتے نہیں
یوں بیٹھے ہیں کہ جیسے یہ کچھ جانتے نہیں

محشر لکھنوی

تیری محفل سے اٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کر دیا

حسرت موہانی

یوں پھر رہے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہیں
آلودہ میرے خون میں داماں کئے ہوئے

آرزو

دل اے غربت کہ ہوئے جس کے لئے خانہ خراب
سن کے آواز بھی گھر سے نہ وہ باہر نکلا

آرزو

تم کو آشفتہ نصیبوں کی خبر سے کیا کام!
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنے

بیخود

نہ سہی ہم تعلق پہ یہ بد ظنی ستم ہے
ہو نظر میں کچھ تو وسعت نہ ہو دل اگر کشادہ

شوکت واسطی

اک قیامت سی تیری بالیں پہ برپا ہو گئی!
مرنے والے تجھ پہ حیرت ہے کہ تو خاموش ہے
ولیؔ

اس تبسّم کے تصدق اس تجاہل کے نثار،
خود مجھی سے پوچھتے ہیں کون یہ دیوانہ ہے
جگرؔ

مجھے اُٹھاتے ہو کہہ کر کہ ہے یہ خلوت ناز
وہ لوگ کون چلے آتے ہیں ادھر دیکھو
محمد یوسف علیخاں ناظمؔ رامپوری

کیا یہ کم ظلم ہے کچھ غور تو کیجے دل میں
آپ ہنستے ہیں میں فریاد کئے جاتا ہوں
شکیلؔ

دانستہ سامنے سے جو وہ بے خبر گئے
دل پر ہزار طرح کے عالم گزر گئے
شکیلؔ

وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
تیرے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو
جگرؔ

میرے جنونِ تمنا کا کچھ خیال نہیں
لجائے جاتے ہیں، دامن چھڑائے جاتے ہیں
جگر

تجھ سے وہ ملا شوق سے اور تو نے نہ جانا
حسرت کو ابھی یاد ہے تیرا وہ زمانہ
حسرت موہانی

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تیری سب کے جواب میں
ذوق

نہ سُنا اس نے کچھ بیانِ فراق
رہ گئے یونہی کشتگانِ فراق
حسرت موہانی

ہم پہ تیری نگاہ جو پہلے تھی اب نہیں
لو بھی نہ کچھ دنوں میں رہے کچھ عجب نہیں
حسرت موہانی

اب ہم ہیں بھلا زیست کے آثار کہاں ہیں
تم پھر کے جاؤ، یہ بیمار کہاں ہیں
حسرت موہانی

میخانے سے محروم چلے آتے ہیں یونہی
ہوتی نہیں ساقی کی عنایت کئی دن سے

حسرتؔ موہانی

اتنا نہ ہو سکا کہ وہ دامن سے پونچھ دیں
افسوس کس اُمید پر آنسو رواں رہے

منیرؔ پروفیسر

وہ ہم سے اب بھی ملتے ہیں مگر اس سرد مہری سے
کہ اک تکلیف ہوتی ہے ملاقاتیں نہیں ہوتیں

علامؔ

ان کے گھر سے جب بگڑ کر میں چلا تو یہ کہا
آپ کے جانے سے کیا سُونا مکاں ہو جائیگا

داغؔ

جو آؤں سامنے اُن کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں

غالبؔ

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گزر کیا
ہم نے ہی اس جہان سے آخر گزر کیا

میرؔ درد

جلال و جمال

اُن کی وہ آمد آمد، اپنا یہاں یہ عالم
اک رنگ آرہا ہے اک رنگ جارہا ہے

چھڑ گئی جب جمالِ یار کی بات
ختم تا دیر سلسلہ نہ ، ہوا

حسرت موہانی

اب سامنے ہے وہ تو اُٹھتی نہیں ہے آنکھ
بیباکیِ نگاہِ محبت کدھر گئی

نواب شمس الحسن خان

وہ رشکِ صد بہار ہے میرے کنار میں
اللہ کیا بہار ہے اب کے بہار میں

جلال الدین اکبر

اس کا نقشہ ہے یہ جوانی میں
چاند ڈوبا ہو جیسے پانی میں

عدم

زمانے کی مصروفیت ختم گئی ہے
وہ بیٹھے ہیں اور آئینہ رُوبرو ہے

عدم

ہر طرف پھیلی ہوئی ہے چاندنی ہی چاندنی
جیسے وہ خود ساتھ ہیں اُنکی جوانی ساتھ ہے

عدم

کتنی صدیوں کے چمن زاروں کے رس پیتی ہوئی
آج یہ دنیا تیرے حسنِ جواں تک آ گئی

ضمیر جعفری

پژمردہ بہاروں پہ جوانی آ جائے
یخ بستہ اُمنگوں میں روانی آ جائے
وہ جلوہ نما اگر کہیں ہو جائیں
انسان کے ہاتھ ایک کہانی آ جائے

قمر

بُوٹا سا قد، گلاب سا رُخ، غنچہ سا دہن
جس جا پہ وہ گئے اُسے گلزار کر دیا

نامعلوم

تیری جبیں اس قدر حسیں ہے کہ اس سے تھوڑا سا پیار کر لوں
تیری نظر اتنی دلنشیں ہے کہ مے کشی اختیار کر لوں

عدمؔ

نقاب اُن کے چہرے سے سرکا ہے شاید
بڑی دُور تک برق لہرا رہی ہے

عدمؔ

گئے جس بزم میں روشن چراغِ حسن سے کر دی
بہارِ تازہ آئی تم اگر گلزار میں آئے

آتش

بادِ بہار میں ہے کچھ اور عطر بیزی
تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ہو

مومن

وہ لالہ رُو گیا نہ ہو گل گشت باغ کو!
کچھ رنگ بوئے گُل کے عوض ہے صبا کے ساتھ

مومن

گُل دیکھ کے چمن میں تجھ کو کھلا ہی چاہے
یعنی ہزار جی سے قربان ہو رہا ہے

میر

چمن میں گل نے جو کل دعوۂ جمال کیا
جمالِ یار نے منہ اس کا خوب لال کیا

میر

دعوہ کیا تھا گُل نے تیرے رخ سے باغ میں
سیلی لگی صبا کی سو منہ لال ہو گیا

میر

چمن میں ہر طرف بُوئے محبت مجھ کو آتی ہے
گلوں میں پڑ گیا شاید پسینہ رُوئے جاناں کا
اشرف

تُم کیوں گئے تھے آئینہ خانے میں بے حجاب
اچھا ہُوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی
فانی

جُونہی مُنہ پر سے اُٹھا دی باغ میں آکر نقاب
اُڑ گیا رنگِ چمن دیکھ اس رُخِ زیبا کا رنگ
بیدار

برابری کا تیری گل نے جب خیال کیا
جمالِ یار نے مُنہ اُس کا خوب لال کیا
سودا

گیا ہے وہ جب چمن میں نازک نہال میرا
ہر شاخِ گُل نے اپنے سر کو جھکا دیا ہے
مصحفی

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا
غالب

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں
جلیل

سیرِ چمن کو آپ گئے تھے یہ گُل کھِلا
پھُولوں میں آگ لگ گئی برقِ نگاہ سے
جلیل

چمن کے پھُول بھی تیرے ہی خوشہ چیں نکلے
کسی میں رنگ ہے تیرا کسی میں بُو تیری
جلیل

اللہ ری تجلّی کہ رُخِ یار کے آگے
یوں شمع ہے محفل میں کہ محفل میں نہیں ہے
جلیل

وہ ابر آیا وہ رنگ برسے وہ کیف جاگا وہ جام کھنکے
چمن میں یہ کون آگیا ہے تمام موسم بدل رہا ہے
عدم

ہزار شاخیں ادا سے لچکیں ہوُا نہ تیرا سا لوچ پیدا
شفق نے کتنے ہی رنگ بدلے ملا نہ رنگِ شباب تیرا
جوش ملیح آبادی

آہ یہ زلف ہے یا ابرِ سرِ مے خانہ
آہ یہ آنکھ ہے یا جامِ شراب آلودہ
اختر شیرانی

گیسوئے مشکیں ہیں وہ روئے حسیں
ابر میں بجلی سی اِک لہرا گئی
اختر شیرانی

وہ ایک جلوۂ صد رنگ اِک ہجومِ بہار
نہ جانے کون تھا جانے کدھر گیا کوئی
حفیظ ہوشیارپوری

شام میں کیسی دھوپ سی چمکی
ممکن ہے وہ نکلے گھر سے
عارف بٹالوی

اک دھوپ سی جمی ہے نگاہوں کے آس پاس
یہ آپ ہیں تو آپ کے قربان جائیے
قتیل شفائی

ناز و انداز و حسن و خوبی میں
کون ہے تم سا اُس کا نام تو لو
رند لکھنوی

دیکھ کر آئے ہیں کیا عارض و گیسو اُن کے
لوگ حیران پریشان چلے آتے ہیں

نسیم

اُسے دیکھا تو زاہد نے کہا ایمان کی یہ ہے
کہ اب انسان کو سجدہ روا ہونے کا وقت آیا

ہری چند اختر

باتیں وہ دلفریب، ادائیں وہ دل رُبا
ایسے پری جمال پہ کیوں کر نہ آئے دل

شیریں

حُسن میں صد اضطراب برق میں تاباں دیکھئے
موج مے چھلکے ہوئے ساغر میں لرزاں دیکھئے

فراق

تو دن کی طرح حسین رات کی طرح پُر کیف
جہاں بھی جائیے باندازِ مہر و ماہ جائیے

فراق

جلوہ گم ہو رہا تھا کوئی اُدھر
دھوپ اِدھر پھیکی پڑتی جاتی تھی

فراق

پو پھوٹ رہی ہے ز جبیں تا بہ کفِ پا
یا چادرِ شبنم میں جھلکتا ہے گلستاں

فراق

تیرا جمال ہے مرے وہم و گماں سے دُور
اس ماہِ نیم شب سے الگ کہکشاں سے دُور

بہزاد

جب سے وہ مہ جبیں ہے نگاہوں کے سامنے
جو چیز ہے حسیں ہے نگاہوں کے سامنے

بہزاد

ابھی سے یہ کس نے جلوہ نمائی
ابھی سے نمودِ سحر اللہ اللہ

بہزاد

اُف رے جلووں کی تیرے تابانی
دیکھنا تک مجھے ہوا مشکل

بہزاد

اس جلوۂ تاباں سے سحر کانپ رہی ہے
ہر دیکھنے والے کی نظر کانپ رہی ہے

عارف بٹالوی

اللہ اللہ کسی کا رعبِ جمال
ہم سے تو بات کی نہیں جاتی

بہزاد

کھُلتے مُنہ پر شباب کا عالم
جیسے کھِلتے گلاب کا عالم

عارف بٹالوی

حُسن زیرِ نقاب اُف توبہ
صبح دم آفتاب کا عالم

بہزاد

نقابِ رُخ اُلٹ دیتے ہیں جب وہ آ کے محفل میں
خدا شاہد ہے اُس دم دو جہاں بیہوش ہوتے ہیں

بہزاد

شب گزری اور آفتاب نِکلا
تو گھر سے بھلا شتاب نِکلا

میر درد

کھُل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں میری
جی میں یہ کِس کا تصوّر آ گیا

میر درد

جس طرح صبح کو ہوتا ہے بے رونق چراغ
دیکھ تجھ کو اُڑ گیا گلشن میں گل کا رنگ و بو

میر درد

دل تجھے کیوں ہے بے کلی ایسی
کون دیکھی ہے اچپلی ایسی

میر درد

تیری آنکھیں دکھا دیجے تو نرگس مست ہو جائے
اگر دیکھے یہ قامت سروِ گلشن پست ہو جائے

میر درد

یہ اُڑی اُڑی سی رنگت یہ کھُلے کھُلے سے گیسو
تیری صبح کہہ رہی ہے تیری رات کا فسانہ

نامعلوم

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

لطیف بدایونی

نہ کر خدا کے لئے خود کو بے نقاب نہ کر
کہ ذوقِ دید کو منظروں پہ اعتبار نہیں

نظر حیدرآبادی

وہ سرو ہے، رخسار ہیں گل، آنکھیں ہیں نرگس
رفتار میں عالم ہے تیری باغ رواں کا
آتشؔ

غش نہ آ جائے کہیں مانند موسےٰ دیکھئے
میری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلوہ دیکھئے
آسیؔ

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
غالبؔ

ہے یہ تمنا میرے جی میں یوں تجھے دیکھوں بادہ کشی میں
ہاتھ میں ساغر بغل میں مینا سر پہ طرہ ہار گلے میں
شاہ نصیرؔ

نہ پوچھ مجھ سے وہ عالم کہ صبح نیند سے اُٹھ
جب انگڑائیوں کو وہ ملتا ہوا خمار میں آئے
جرأتؔ

چھایا ہوا ہے ابرِ مسرت جہان پر
وہ آ رہے ہیں ساغر و مینا لئے ہوئے
رُسواؔ

جہاں تو جلوہ نما تھا لرزتی تھی دنیا!
تیرے جمال سے گویا جلال پیدا تھا!
فراقؔ

شراب و شعر میں پھولوں میں چاند تاروں میں!
کہاں کہاں نہ تجھے جلوہ یار دیکھ لیا!
شاطرؔ

ہیں ذرّے ستارے سبھی یوں تو روشن
مگر مرکزِ ضوفشانی تمہیں ہو
بہزادؔ

تم نقابِ رُخ اُٹھاؤ تم کو اس سے کیا غرض
کس کی قسمت میں ہے بہلنا ہوش سے جاتا ہے کون
بہزادؔ

جلووں کو اپنے روک لو مجھ پر کرم کرو
عالم میرا خراب بھلا کر رہے ہو تم
بہزادؔ

جلوے بھی چھپانے سے کہیں چھپتے ہیں نخشب
وہ پردہ کریں جلوے تو پردہ نہ کریں گے
نخشبؔ

مے پرستوں کے خواب کی تصویر
یعنی جامِ شراب کی تصویر
عشق کے اضطراب کی تصویر
حسنِ گل کے شباب کی تصویر
لالۂ سحر کار کی تصویر
اک مکمل بہار کی تصویر
عشق کے اعتبار کی تصویر
شانِ پروردگار کی تصویر
جلوۂ صبح و شام کی تصویر
ایک پُر کیف جام کی تصویر
محشرِ گام گام کی تصویر
آپ اپنے ہی نام کی تصویر
سر سے پا تک سُرور کی تصویر
تمکنت کی غرور کی تصویر
اِک سراپائے نُور کی تصویر
جلوۂ برقِ طور کی تصویر

بہزادؔ

جمع ہوئے ہیں کچھ حسیں گرد میرے مزار کے
پھول کہاں سے کھِل پڑے دن تو نہ تھے بہار کے

آرزوؔ

جلوہ ہے جلوۂ بہار تیرا
ہر چمن کو ہے انتظار تیرا

بہزادؔ

آپ کے جلوے جو بے پردہ نظر آنے لگے
میری نظروں میں سمٹ کر کُل زمانہ آ گیا

بہزادؔ

یہ دکھائی کیا قیامت میری جان دوستوں کو
رُخِ نرم، ماہِ تاباں، دلِ سخت سنگِ خارا

حافظؔ شیرازی

بُوئے گُل آئے چمن سے گر وہاں ہو جلوہ گر
بلبلیں بھی وجد میں ہوں دیکھ کر اس شکل کو

حافظؔ شیرازی

آفتاب اس رُخ سے کرتا ہے حجاب
سایہ چھُپ جاتا ہے پیشِ آفتاب

حافظؔ شیرازی

باندھ دے حسن اس کا مہر و ماہ کو
وہ ماہِ بے مہر گر کھولے نقاب کو

حافظ شیرازی

وُہ حسُن ہے کہ نگاہوں کے ہوش اُڑ جائیں
وہ حادثہ ہے گواہوں کے ہوش اُڑ جائیں
حسین رُخ پہ وہ معصومیت مسلّط ہے
کہ دیکھ لیں تو گُناہوں کے ہوش اُڑ جائیں

منظور عارف

چہروں پہ دمک سی صبح کی زلفوں میں فسانے راتوں کے
افسونِ لب و رخسار میں کیا کیا رازِ شبستان ملتے ہیں

نظر حیدر آبادی

کچھ بجلی سی کوند گئی یا سامنے سے کوئی گزرا ! !
اُڑ گئے تھے لہرائے شرارے ابھی لو رہیں کہیں

فراق

حسُن کی اُف ری کیف سامانی
نغمہ ہیں، رنگ و بُو ہیں، کیا ہیں آپ

فراق

نکھری نکھری ہوئی جوانی دمِ صبح
آنکھیں ہیں سکوں کی کہانی دمِ صبح
آنگن میں سہاگن اٹھائے ہوئے بانہہ
تلسی کو دے رہی ہے پانی دمِ صبح

فراقؔ

تابِ نظارہ کوئی لا نہ سکا!
آپ محفل میں آج خوب گئے!
رُخِ روشن کو بے نقاب کیا
چاند نکلا ستارے ڈوب گئے

عارفؔ بٹالوی

غنچۂ نو دمیدہ کو جیسے نسیم گدگدائے
دیکھ جمالِ یار کو جیسے حیات مسکرائے

فراقؔ

کچھ کیفِ شبانہ بھی آنکھوں میں کچھ آئی ہوئی انگڑائی بھی
تصویرِ سحر نیرنگِ سحر یہ ہوش بھی ہے یہ خمار بھی ہے

فراقؔ

زیرِ برقع تو نے کیا دکھلا دیا
جمع ہیں ہر سُو تماشائی بہت

حالی

تمہارا حسن ہے یا برقِ آتش افگن ہے
جدھر سے ہو گئے اک آگ سی لگا کے چلے

صابر

ہے وقتِ نزع مصحفِ رُخ تو اُٹھائیے
ہاں ہاں نکالیے ذرا قرآں نکالیے

ولی

تیرے آتے ہی سب دُنیا جواں معلوم ہوتی ہے
خزاں رشکِ بہارِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

وحید

جب وہ سرور نظر آتا ہے
ہر طرف نور نظر آتا ہے

وحید

بھرتا نہیں ہے جی تجھے سو بار دیکھ کر
بڑھتی ہے اور حسرتِ دیدار دیکھ کر

وحید

سحر کو جیسے ستارے نظر نہیں آتے
نقاب اس نے اُلٹ دی تو آفتاب نہ تھا

بیخود

بھری محفل میں ہوتا ہے تماشہ رقص بسمل کا
جدھر وہ دیکھ لیتے ہیں اُدھر دیکھا نہیں جاتا

بیخود

حُسن اور پھر شباب کیا کہنا
جلوۂ بے حجاب کیا کہنا

ساغر جعفری

یہ عادت ہی سہی عادت بھی کتنی خوبصورت ہے
جمالِ دوست سے دل سیر ہوتا ہے کہیں میرا

سیماب

رنگینیٔ فضا ہے ترا غشوۂ حجاب
ہوتا ہے اور جلوۂ صبح بہار کا

فراق

اداؤں سادگی میں کنگھی چوٹی نے خلل ڈالا
شکن ماتھے پہ، ابرو میں گرہ، گیسو میں بل ڈالا

طباطبائی

ذرا نقابِ حسیں رُخ سے تم اُلٹ دینا
ہم اپنے دیدہ و دل کا غرور دیکھیں گے
شکیلؔ

یہ عجیب حُسن کے رمز تھے یہ نرالے ناز کے بھید تھے
وہ نقاب اُلٹ کے جو آ گیا کوئی جی اُٹھا کوئی مر گیا
جوشؔ

یہ بات یہ تبسم، یہ ناز یہ نگاہیں!
آخر تمہیں بتاؤ کیوں کر نہ تم کو چاہیں
جوشؔ

اللہ رے دلفریبی جلوؤں کے بانکپن ہیں
محفل میں وہ جو آئے کج ہو گئیں کلاہیں
جوشؔ

پھر آئے ہیں وہ سامنے اُلٹے ہوئے نقاب
سو طور اک نگاہ میں پنہاں کیے ہوئے
جوشؔ

تیری یہ مستی بھری نگاہیں حجاب بھی ہے شباب بھی ہے
تیری تجلّی کا کیا ٹھکانہ نقاب بھی بے نقاب بھی ہے
ابن علی اشکؔ

نظارے کو یہ جنبش مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی
اقبال

نمایاں ہو کے دکھلا دے کبھی اُن کو جمال اپنا !
بہت مدت سے چرچے ہیں ترے باریک بینوں میں
اقبال

چمک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں
اقبال

ظلم سے کم نہیں اے حیرتِ جلوہ یہ مذاق
سامنے آ کے بھی نظروں سے ہے پنہاں کوئی
جوش ملسیانی

زندگی تھی حجاب کے دم تک
پھر ہمیں حجاب نے مارا
جگر

کہاں کی دید اور کس کا عرفاں حواس گم ہیں نظر پریشاں
جو ایک پردہ اُٹھا رہے ہو تو لاکھ پردے گرا رہے ہیں
جگر

ہر جلوہ ہے بجائے اِک دعوتِ نگاہ
کیا سمجھے جو تیری تمنّا نہ سمجھئے
جگرؔ

جمالِ حُسن کی ہلکی سی لہر دَوڑا کر
نفس نفس کو میرے جگمگا دیا تو نے
جگرؔ

بال کھولے ہوئے یہ کون چلا آتا ہے
بزمِ دل محشرِ خاموش ہوئی جاتی ہے
جگرؔ

اِک بزمِ ناز میں چل زاہد تمہیں دکھا دوں
مینا بدوش آنکھیں ساغر بکف نگاہیں
جگرؔ

صُورت دکھا کے پھر مجھے بیتاب کر دیا
اِک لطف آ چلا تھا غمِ انتظار میں
جگرؔ

گزر یارب گلستاں سے ہوا ہے کس شرابی کا
کہ شاخیں جھومتی ہیں نالۂ بلبل ہے مستانہ
شاہ ظفرؔ

اس فتنۂ شباب کا عالم نہ پوچھیئے
اک حشر اُٹھ رہا ہے تماشے لیے ہوئے
حفیظ جالندھری

سُنانے چلے تھے اُنہیں حالِ دل
نظر ملتے ہی رنگ فق ہو گیا
جگر

دھڑکنے لگا دل نظر جھک گئی
کبھی اُن سے جب سامنا ہو گیا
جگر

اس چشمِ غزالیں کو مے خانۂ دل پایا!
اس رُوئے نگاریں کو فردوسِ نظر دیکھا!
جگر

ہوا کا اُس طرف اُن کی نقابِ رُخ اُلٹ دینا
اِدھر اِک اِک لہُو کی بوند کا سرشار ہو جانا
جگر

رات کیا دلکش ادائے جلوۂ جانانہ تھی
شمع جب رُخ کے مقابل آ گئی خود پروانہ تھی
جگر

بہارِ لالہ و گُل شوخیِ برق و شررِ ہو کر
وہ آئے سامنے لیکن حجاباتِ نظر ہو کر

جگرؔ

وہ جدھر ناز سے بے پردہ خراماں ہو نگے
ذرّے سب جام بکف مست و غزلخواں ہو نگے

جگرؔ

نظر سے حسنِ دو عالم گرا دیا تو نے
نہ جانے کون سا عالم دکھا دیا تو نے

جگرؔ

اللہ رے جسمِ یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیراہن تمام

حسرتؔ موہانی

روشن جمالِ یار سے ہے انجمن تمام
دہکا ہوا ہے آتشِ گُل سے چمن تمام

حسرتؔ موہانی

رنگینیٔ لباس ہے تیرے بدن کا عکس!
بادل سے چھن رہی ہے شعاع آفتاب کی

عارفؔ بٹالوی

دل میں کیا کیا ہوس دید بڑھائی نہ گئی!
رُو برو ان کے مگر آنکھ اُٹھائی نہ گئی!

حسرت موہانی

رُو برو اُن کے کچھ نہیں معلوم
کیا ہوا بے خودی میں کیا نہ ہوا

حسرت موہانی

کھل گیا ہے تیرے جمال کا رنگ
تیرے ملبوسِ ارغوانی کا

حسرت موہانی

کثرتِ حُسن کی یہ شان نہ دیکھی نہ سُنی
برق لرزاں ہے کوئی، گرم تماشا کیا ہو

حسرت موہانی

آئی جو تیرے رُوئے منوّر کے قریں شمع
ہم لوگ یہی سمجھے کہ محفل میں نہیں شمع

حسرت موہانی

مَلتے ہوئے اُٹھے ہیں وہ آنکھیں جو خواب سے
پھیلا ہوا ہے نورِ جمالِ خمارِ صبح

حسرت موہانی

کس کی یہ موجِ حسن ہوئی جلوہ گہ کہ یوں
دریا میں جو حباب تھے آنکھیں چھپا چلے

میر درد

وہ میرے ساتھ صحنِ گلستاں میں ہیں رواں
چپ ہیں طیورِ نقش یہ دیوار ہے بہار

عابد علی عابد

تو سامنے آجائے تو بجھ جائیں ستارے
تو دیکھے تو پھولوں کو بھی آجائے پسینہ

ندیم

تفاوت قامتِ یار اور قیامت میں ہے کیا مومن
وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

مومن

چلو دیکھیں کہ میخانے میں وہ کون آگیا ایسا
ابھی ساغر اچھلتے تھے ابھی شورِ قیامت تھا

عارف بٹالوی

تم کو دیکھا تو اعتبار آیا!
حسنِ یوسف کی داستاں بھی دوست

عارف بٹالوی

نقاب

نقاب کہتی ہے میں پردۂ قیامت ہوں
اگر یقین نہ ہو دیکھ لو اُٹھا کے مجھے

Nagels

برق کو ابر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے
ہم نے اُس شوخ کو مجبورِ حیا دیکھا ہے

حسرت موہانی

مَیں اضطرابِ شوق کہوں یا جمالِ دوست
اِک برق ہے جو کوند رہی ہے نقاب میں

اصغر

سحر لائے گی کیا پیغامِ بیداری شبستاں میں
نقابِ رُخ اُلٹ دو خود سحر بیدار ہو جائے

اصغر

تیوری جو ہے چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
ہے اِک شکن پڑا ہوا اندر نقاب کے

غالب

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ تیرے رُخ پر بکھر گئی

غالب

اُس نے شرما کر لیا منہ پر نقاب
چاند پر بادل کا ٹکڑا آ گیا

عندلیب شادانی

لپیٹے منہ سو رہی تھیں کلیاں صبا نے آ کر جو گدگدایا
سرک گئے ہیں سروں سے آنچل تمام گلشن مہک رہا ہے
جوش

رُخ سے نقاب اُٹھا کہ بڑی دیر ہو گئی
ماحول کو تلاوتِ قرآں کئے ہوئے
عدم

بے محابا ہو اگر حُسن تو وہ بات کہاں
چھپ کے جس شان سے ہوتا ہے نمایاں کوئی
اصغر

ایک رنگیں نقاب نے مارا
حُسن بن کر حجاب نے مارا
جگر

جلوۂ آفتاب کیا کہیئے
سایۂ آفتاب نے مارا
جگر

کیوں روئے تابناک چھپائے ہوئے ہو تم
جلووں کو خود نگاہ بنائے ہوئے ہو تم
بہزاد

اُٹھی جو نقاب آپ کے چہرے سے میں سمجھا
خورشید نے دامانِ سحر چاک کیا ہے
عارف بٹالوی

نقابِ رُخ اُٹھایا جا رہا ہے
وہ نکلی دھوپ سایہ جا رہا ہے
ماہرُ القادری

اُلٹا اُدھر نقاب تو پردے پڑے اِدھر
آنکھوں کو بند جلوۂ دیدار نے کیا
آتش

نقاب اپنے چہرے سے کس نے اٹھا دی
ستاروں کی دُنیا میں ہلچل مچا دی
رُسوا

جیسے زیرِ شفق چراغاں ہو
آج یوں مائلِ حجاب ہے تُو
فراق

اُس نے نقاب رخ سے ہٹایا نہیں ہنوز
گلشن کو بجلیوں نے جلایا نہیں ہنوز
بہزاد

اگر تو نے نقاب اُلٹی نہیں ہے
تو پھر سارا جہاں بیہوش کیوں ہے

بہزاد

آ ساقیا! کہ یار نے گھونگھٹ اُٹھا دیا
اندھیر خلوتوں میں سراسر مچا دیا

حافظ شیرازی

پردے میں بیٹھ کر تو بپا ہیں یہ کچھ ستم
پردا اُٹھا کے کیوں نہ قیامت بپا کریں

حافظ شیرازی

ہلکی سی اِک نقابِ تبسم پڑی رہی
رُخ سے میرے عیاں غمِ نہاں نہ ہو سکا

وجد

کھٹکا ہے دل نقاب کی جالی میں پھنس نہ جائے
اک دام اور بھی تو ہے زلفِ دوتا کے پاس

بیخود

پرتو سے ہر نگاہ کو اِک اضطراب ہے
بدلی کی دھوپ جلوۂ زیرِ نقاب ہے

سیماب

حسن کامل ہی نہ ہو اس بے حجابی کا سبب
وہ جو تھا پردوں میں پنہاں خودنما کیونکر ہوا
اقبالؔ

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
اقبالؔ

بام پہ آکے اٹھادو رخِ تاباں سے نقاب
اک اضافہ ہی سہی طور کے افسانے میں
جگرؔ

یوں نہ پردہ کرو خدا کے لئے
دیکھو دنیا تباہ ہوتی ہے
جگرؔ

جدھر سے حسن کا اک گوشۂ نقاب اٹھا
تمام ذرّے پکارے وہ آفتاب اٹھا
جگرؔ

اُدھر جوشِ مستی اِدھر چشمِ شوق
مصیبت میں بندِ نقاب آگیا
جگرؔ

عاشق کو دیکھتے ہوئے دوپٹے کو تان کر
دیتے ہو ہم کو شربتِ دیدار چھان کر
میر انیس

پردۂ فانوس میں روشن ہے شمع!
گو ہے گورے منہ پہ گھونگٹ دیکھئے
نامعلوم

اُلٹ دے اے صبا تو ہی نقاب رخ کو چہرے سے
کبھی تو دیکھ لیں ہم بھی ذرا سرکار کی صورت!
صدیق دہلوی

تم دھان پان ہو، نہیں موقع حجاب کا
کیوں بوجھ ڈالو پھول سے منہ پر نقاب کا
جلیل مانکپوری

سو آفتوں سے امن ہے اُنکے حجاب میں
سو فتنے ہیں بندھے ہوئے بندِ نقاب میں
بسمل دہلوی

اُٹھا ہے پردہ فقط اک نقاب باقی ہے
ابھی مزاج میں کچھ کچھ حجاب باقی ہے
نامعلوم

ہم اُن کی چال سے پہچان لینگے انکو برقع میں
ہزار اپنے کو وہ ہم سے چھپائیں سر سے پاؤں تک

ذوقؔ

نقاب ڈال کے مُنہ پر وہ باغ میں آئے
کہ چمن کے نکہتِ گل بھی دماغ میں آئے

ثاقبؔ لکھنوی

یہ کہہ کے رخنہ ڈالئے اُن کے حجاب میں
اچھے بُرے کا حال کھُلے کیا نقاب میں

آزردہؔ دہلوی

دانستہ نقاب اُلٹے ہوئے ہیں سرِ بازار
اور اس پہ یہ کہتے ہیں کہ خلقت کو کیا ہوا

مائلؔ دہلوی

گھونگٹ اُلٹ کے اُس نے شبِ وصل یہ کہا
کچھ بک نہیں گئے میرے دشمن حیا کیساتھ

صفدرؔ رامپوری

ہوتا نہ تیغ سے بھی جو یہ کام کر گئی
سو حسرتوں کا خون کیا ہے نقاب نے

قیصرؔ دہلوی

سبب کھلا یہ ہمیں اُن کے مُنہ چھپانے کا
اُڑا نہ لے کوئی انداز مُسکرانے کا

داغ

دن ہو گیا نمودِ شبِ وصل کٹ گئی
اُلٹی نقاب کیا میری قسمت اُلٹ گئی

نامعلوم

حجاب کیسا کہاں کا پردہ ہٹاؤ بھی اس میں کیا دھرا ہے
پرانے انداز کا یہ بُرقع جدید فیشن میں ناروا ہے

اکبر الہ آبادی

رُخ کو پوشیدہ عبث ماہ لقا کرتے ہیں
اچھی صوُرت کو چھپانے میں بُرا کرتے ہیں

رِند

منہ چھپانا تھا تمہیں پہلے ہی روز
اب کیا پردہ تو کیا پردہ کیا

نامعلوم

اپنی صوُرت کو کیوں چھپاتے ہو
یہ بھی چوری کا مال ہے شاید

نازؔ دوالی خیرپور سندھ

اپنی صورت کو دکھاؤ تو یہ پردہ اُٹھ جائے
لوگ کہتے ہیں تمہیں رشکِ قمر، دیکھیں تو

راوی لکھنوی

شکر، پردے ہی میں اُس بُت کو حیا نے رکھا
ورنہ ایمان گیا ہی تھا، خدا نے رکھا

ذوقؔ

اس میں کچھ راز نہیں ہے تو چھپاتے کیوں ہو
رُخ خطِ غیر نہیں ہے کہ دکھا ہی نہ سکیں

شوقؔ لکھنوی

لے جاؤں جب بہشت میں اُس حور وش کو میں
پہلے فرشتہ دُور سے پردہ پکار دے

داغؔ

دل میں آجاؤ کہ ہے یہ گھر تو پردے کا مکاں
ہم نے آنکھیں بند کر لیں، آؤ پردہ ہو گیا

بیخودؔ دہلوی

پردے والوں سے یہ خواہش کہ اُٹھا لیں پردہ
اُٹھ گیا آنکھ سے اب لوگوں کی پردہ کیسا

ریاضؔ

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اکبرؔ الہ آبادی

یہ تو فرمائیے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
آپ بے وجہ جو مُنہ ہم سے چھُپا لیتے ہیں

تنہاؔ دہلوی

لکھا ہوا تھا یہ اس مہ جبیں کے پردے پر
نہیں ہے کوئی اب ایسا زمیں کے پردے پر

شوقؔ

مُنہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پہ باندازِ عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

غالبؔ

پردے کی کچھ حد بھی اے پردہ نشیں
کھل کے مل بس مُنہ چھپانا چھوڑ دے

مومنؔ

کب تک رہو گے منہ کو چھپائے نقاب میں
کب تک رہیگا چاند سا مکھڑا حجاب میں

تبسمؔ مراد آبادی

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے اُن سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرمایا کل آپ نے یہ صاف صاف
پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

اقبالؔ

پردہ کی چھیڑ چھاڑ میں ہے لطف ہی کچھ اور
وہ سامنے کہاں جو اثرِ غائبانہ تھا

آرزوؔ

بھلا چکی جنہیں صدیوں سے سرزمینِ عجم
نقاب میں وہی آتشکدے چھپائے ہوئے

اخترؔ شیرانی

اے جلوۂ گُل کے دیوانے کیا رنگِ بہارِ عالم ہے!
راہوں میں نقابیں اُلٹے ہوئے کتنے ہی گلستاں ملتے ہیں

نظرؔ حیدر آبادی

ہنسی پھر اُڑنے لگی عشق کے فسانے کی
نقاب اُٹھاؤ بدل دو فضا زمانے کی
جگر

پھر نقاب اُس نے اُلٹ کر رُوح تازہ پھونک دی
اب نہ کعبے میں ہے سناٹا نہ بت خانے میں ہے
جگر

وہ بے نقاب ہوئے بھی تو کیا ہوا کہ رہے
ہجومِ حسن کے پردے نقاب کے بدلے
حسرت موہانی

اُلٹو نقاب بہرِ خدا صبح ہو گئی
ٹکراؤ آفتاب کو اب آفتاب سے
شوکت رضوی

کھولو ذرا نقاب کہ دیکھیں تمہارا حسن
کتنے حسیں ہو جو خدا ہو گئے ہو تم
عارف بٹالوی

کچھ الیسی بلیاختہ ادا سے نقاب اُٹھائی ہے آج اُس نے
کئی حجابات اُٹھ گئے ہیں کئی حجابات بن گئے ہیں
عدم

تم نے اپنے چاند سے چہرے پر کیا ڈالی نقاب
آرزوئیں دامنِ حیرت میں پنہاں ہو گئیں!

شوکت رضوی

تجھے یقیں کہ ترا حُسن ہے سپردِ نقاب
مجھے یہ فکر کہ تارے چھپے نہیں رہتے

ندیم قاسمی

دیکھو اُلجھ پڑیں گے کبھی ہم نقاب سے
رکھتا ہے چھیڑ چھاڑ رُخِ ماہتاب سے

عارف بٹالوی

کیا کہیے رُوئے حسن پہ عالم نقاب کا
منہ پر لیا ہے مہر نے دامن سحاب کا

عندلیب شادانی

سحر لائیگی کیا پیغامِ بیداری شبستاں میں
نقابِ رُخ اُلٹ دو خود سحر بیدار ہو جائے

اصغر

حیا

کلی کلی کے حجابِ رنگیں میں پھول بننے کی آرزو ہے
مگر وہ کھلتی ہیں چپکے چپکے سی اور کم کم حیا کے مارے

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
غالبؔ

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے
گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
غالبؔ

دل میں لی پھر حیا نے چٹکی سی
لب پہ پھر نام آ گیا کس کا
اخترؔ شیرانی

جفائے ناز کی مَیں نے شکایت ہائے کیوں کی تھی
مجھے جینے نہیں دیتی نگاہِ شرمسار اس کی
اخترؔ شیرانی

اُن رس بھری آنکھوں میں حیا کھیل رہی ہے
دو زہر کے پیالوں میں قضا کھیل رہی ہے
اخترؔ شیرانی

ہاں اثر اب ہوا محبّت کا
ہم سے آنے لگا ہے اُنکو حجاب
جوشؔ

اب سر اُٹھا کہ میں نے شکووں سے ہاتھ اٹھایا
مر جاؤں گا ستمگر نیچی نہ کر نگاہیں

جوؔش

سب سے نظر بچا کے وہ چشمِ حیا پرست
اِک بار اُٹھ گئی جو ادھر کچھ نہ پُوچھئے

اشکؔ رامپوری

نقاب اُٹھتی نہیں چہرے سے اُن کی
مجھے اُٹھنا پڑے گا درمیاں سے

جوؔش

جوشِ جنوں میں چھُوٹ گیا آستانِ یار!
روتے ہیں منہ پہ دامنِ صحرا لئے ہوئے

اصغرؔ

کوئی چھُو لے اگر ان کو تو یہ کُملا کے رہ جائیں
حیا میں اس قدر ڈوبیں کہ بس مرجھا کے رہ جائیں

اختر شیرانی

صاف اقرارِ محبت ہو زباں سے کیونکر
آنکھ میں آ گئے یُوں شرم کے مارے آنسو

اختر شیرانی

کہاں جمالِ حقیقت کدھر مجاز رہے
جو تیرے رُخ پہ نہ مائل حجاب ناز رہے

جگرؔ

سمجھ میں نہ آیا یہ اندازِ نو!
مجھے دیکھ کر کیوں حجاب آگیا

بہزادؔ

کھینچ لینا وہ میرا پردے کا کونہ دفعتاً"
اور دوپٹے سے تیرا منہ چھپانا یاد ہے

حسرتؔ موہانی

ابرِ حجابِ ناز میں کوند رہی ہیں بجلیاں
تیرے سکونِ دل کی خیر عشوۂ شرمسار دیکھ

فراقؔ

شرم ہے احتراز ہے، کیا ہے
پردہ سا درمیان ہے پیارے

حفیظؔ جالندھری

وہ اِس طرح میرے برابر سے گزرے
ادائیں سنبھالے، نگاہیں جھکائے

نخشبؔ

اب میری جانب نظر ہے جب میں دیکھونگا ادھر
وہ نظر گھبرا کے صرفِ بام و در ہو جائے گی

نخشب

وہ شرما کے گردن جھکانا کسی کا
وہ رہ رہ کے پھر مسکرانا کسی کا

بیخود دہلوی

سادگی میں یہ پھبن شرم میں ایسی شوخی
یہ قیامت کی ادائیں، یہ بلا کا انداز

بیخود

شوخی نظر کے پاس شرارت ادا کے پاس
اِک تمکنت کی شان ہے خالی حیا کے پاس

بیخود

کسقدر اے مے تجھے رسم حجاب آئی پسند
پردۂ انگور سے نکلی تو مینائوں میں تھی

اقبالؔ

چھُپتے ہیں اور چھُپا نہیں جاتا
اِس ادائے حجاب نے مارا

جگر

رنگِ حیا ہے یہ تیرے جوشِ شباب میں
یا چاندنی کا پھول کھلا ہے گلاب میں

جگرؔ

حیا میں وہ معصوم سی اِک شرارت
شرارت میں موہوم سا اک فسانہ

جگرؔ

وہ اشاروں میں اس کا کہنا ہائے
دیکھو اپنے پرائے بیٹھے ہیں

نظامؔ رامپوری

شوخیاں پردے میں ہوں ناز و ادا پردے میں ہو
ہر جفا پردے میں اظہارِ وفا پردے میں ہو
نغمہ ہائے حسن کی دلکش صدا پردے میں ہو
صدمہ ہائے عشق کا بھی تذکرہ پردے میں ہو

اکبرؔ الٰہ آبادی

دل میں آئے ہو آنکھ سے پردہ
شوخ چشمی بھی ہے حجاب بھی ہے

نامعلوم

ذوقِ دیدار میں بیخود ہوں نہ کہہ مجھ سے حجاب
اُٹھ گیا بیچ سے میں ہی تو یہ پردہ کیسا؟

نامعلوم

رہنے دو کیوں ڈالتے ہو روئے روشن پر نقاب
دیکھ لے جلوہ تمہارا کس کو اتنا ہوش ہے

افسر صدیقی

نیچی نگاہ، کم سخن، آہستہ گفتگو
خوبانِ ہند جتنے ہیں پتلی حیا کی ہیں

قیصر بلگرامی

جو صحبتِ اغیار میں اس درجہ ہو بیباک!
اس شوخ کی سب شرم و حیا میرے لئے ہے

مولانا محمد علی جوہر

ادا دیکھو کہ پردے میں نگاہیں سب سے لڑتی ہیں
حیا دیکھو بھری محفل میں پردہ مجھ سے ہوتا ہے

بیخود بدایونی

افشائے رازِ عشق کے باعث تمہیں تو ہو
سو بے حجابیاں ہیں تمہارے حجاب میں

حکیم آغا جان عیش

وہ شرمائے بیٹھے ہیں گردن جھکائے
غضب ہو گیا اِک نظر دیکھ لینا

حسرت موہانی

وُہ شرمائی صُورت وہ نیچی نگاہیں !
وہ بھولے سے ان کا اِدھر دیکھ لینا

حسرت موہانی

کم التفاتیوں کا ہے وہم اہلِ بزم کو
شرمندہ ہو گئے تیری شرم و حیا سے ہم

شیفتہ

بے ساختہ نگاہیں جو آپس میں مِل گئیں
کیا منہ پر اُس نے رکھ لیے اپنے چُرا کے ہاتھ

نظام رامپوری

دیر تک محفل میں وہ آنکھیں لڑاتے تو رہے
پھر بھی وہ معشوق تھے آخر حجاب آ ہی گیا

زاہد سہارنپوری

آنکھوں سے آنکھیں مِل گئیں جو اتفاق سے
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیے دہرے سے ہو گئے

عارف بٹالوی

یارو وہ شرم سے جو نہ بولا تو کیا ہُوا
نظروں میں سو طرح کی حکایات ہو گئیں

سودا

شرم و حیا کے ہوتے ہوتے حسُن پہ وہ جوبن آیا
جیسے گھٹا کے چھٹتے چھٹتے چاندنی رات نظر آئے

فراق

تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بیباک ہو جانا میرا
اور تیرا دانتوں میں وہ اُنگلی دبانا یاد ہے

حسرت موہانی

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حسُن
آیا میرا خیال تو شرما کے رہ گئے

حسرت موہانی

میں کیا کہوں کہ شرم سے کیسے جُھکا کے سر
پوچھا اُنہوں نے حسرتِ بیمار کا مزاج

حسرت موہانی

مجھے میخانہ تھراتا ہُوا محسوس ہوتا ہے
وہ میرے سامنے شرما کے جب پیمانہ رکھتے ہیں

اختر شیرانی

نقاب اُس نے رُخ سے اُٹھائی تو لیکن
حجاباتِ کچھ درمیاں اور بھی ہیں

فضل احمد کریم فضلی

اَدا

تیری اَدا پہ کیونکر جیتا رہے زمانہ
غنچوں نے مسکرا کر بلبل کی جان لے لی

صدقے ادائے ناز کے قاتل نے بعد ذبح
دیکھا جو مُڑ کے جان سی بسمل میں آ گئی!

ریاض خیرآبادی

بچپن یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنا تو در کنار
دامن میں پھول چُن لئے میرے مزار کے

ناسخ لکھنوی

انکار کے سَو پہلو اِقرار بہر صُورت!
کیا بات ہے میں صدقے اِس آپکی جی ہاں کے

ضیا عباس ہاشمی

کیا کہئے کہ کیا گذری جب عرضِ تمنّا پر،
منہ پھیر کے ظالم نے آہستہ سے جی ہاں کی

ضیا عباس

یہ تم جو پُرسشِ غم کر کے مسکراتے ہو
اِسی ادا پہ تو دیوانے مرنے لگتے ہیں

مظہر گیلانی

چھُپے وہ مجھ سے تو کیا یہ بھی اک ادا نہ ہوئی
وہ چاہتے تھے نہ دیکھے کوئی ادا میری

حسرت موہانی

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
غالب

منہ پھیر کے ہنس ہنس کے وہ اقرار کی باتیں
اس طور سے کرتے ہیں کہ باور نہیں ہوتا
نظام رامپوری

تیغِ ادا میں اُس کی ہے اک روح تازگی
ہم کشتگانِ شوق کو مرنا نہ چاہیئے
اصغر

پرورش پاتا ہے رگ رگ میں مزاجِ عاشقی
نگہ پھر دکھلایئے پھر مجھ سے پردا کیجئے
اصغر

لب صرفِ تکلم ہیں تو نظریں ہیں کہیں اور
ان باتوں سے ہوتا ہے محبت کا یقیں اور
شکیل

حُسنِ شگفتہ رُو کی اللہ رے ادائیں!
نظریں بھی ہیں مجھی پہ پردا بھی ہے مجھی سے
شکیل

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تیری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے
غالب

مئے الفت کے سرشاروں کو میخانے سے کیا مطلب
ادا رُوحِ نشاط اس کی نظر جانِ بہار اُس کی
جوش

دینا وہ اُن کا ساغرِ مے یاد ہے نظام
منہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ
نظام

تیری ہی شوخیاں تھیں گرہ میں دبی ہوئی
چھیڑا جو میں نے موجِ نسیمِ بہار کو
اصغر

نگاہوں میں حیا آنکھوں میں مستی چال میں لغزش
مصوّر کے قلم کے خواب برساتے ہوئے آنا
اختر شیرانی

نظروں نظروں میں کاوشِ سیرِ بزم
دل ہی دل میں لڑائیاں توبہ
جگر

لبوں پہ موجِ تبسم نگہ میں برقِ ستم
کوئی بتائے یہ اندازِ برہمی کیا ہے
جگرؔ

میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ سوئے ہوئے ہو تم
شاید کسی خیال میں کھوئے ہوئے ہو تم
بہزادؔ

کچھ اس طرح ظالم نے دیکھا کہ ہم نے
نہ سوچا نہ سمجھا جوانی لٹا دی
بہزادؔ

چمن میں پھول تو کھلتے ہیں پر وہ بات نہیں
تیری ادا کی قسم ہے تیری ہنسی کی قسم
بہزادؔ

ایسے سے کوئی اپنے تئیں کیونکر بچائیے
دل زلفوں سے بچ جائے تو آنکھوں سے چرائیے
میر دردؔ

ترچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم
یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے
میر دردؔ

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کیئے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

میرؔ

سرِ طور اِک برقِ حسن لہراتی نظر آئی
ذرا شوخی سے جھٹکا تھا کسی نے اپنے دامن کو

دلؔ شاہجہانپوری

کسی شوخ کی وہ ادا زندگی ہے
نظر آئے لیکن سمجھ میں نہ آئے

ادیبؔ سہارنپوری

وہ ہیں آئینہ ہے اُن کی ادائیں جلوہ افگن ہیں
الٰہی خیر ہو قاتل کی ٹھن جائے نہ قاتل سے

رُسواؔ

تاروں کے قلوب جیسے دھڑکیں
رات اس کی ادا ادا کو دیکھا

فراقؔ

شوخیِ حسن سلامت تجھے شمشیر سے کیا
یہ چمکتی ہوئی چلتی ہوئی تلوار چلا

فراقؔ

یہی ادائے حیا جان ہے محبت کی
جو نیچی نظروں سے کہتی ہے ہم تمہارے ہیں

فراقؔ

ادائے حسنِ آزردہ کے صدقے کوئی کیا سمجھے
سرشک آلود مژگاں کو تبسم ہائے پنہاں کو

فراقؔ

نیاز و ناز کی تصویر یہ کوئی کھینچ لے اُس دم
چھڑائیں گے وہ داماں اور ہم لپٹیں گے داماں سے

نخشبؔ

مُسکرا کر، مُنہ چڑھا کر، گھُور کر
جا رہے ہو خیر دیکھا جائے گا

حفیظؔ

نظر سے اشارہ سرِ شام اُن کا
مبارک محبت کو پیغام اُن کا

بہزادؔ

وہ تو کچھ مسکرا کے ہو گئے چُپ
ایک اُلجھن میں پڑ گیا ہوں میں

آرزدؔ

ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ اپنا مذہب چھوڑ کر
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

نامعلوم

کہنے لگے وقتِ نزع شوخی سے چھیڑ کر
ہم آئے تم چلے کہو کس میں وفا نہیں

عطیہ مظہر

وہ فرطِ ناز سے لہروں کو گدگدا کے چلے
فضا میں چاند ستارے اُڑا اُڑا کے چلے

جلیل مانکپوری

زہے وہ موجِ تبسم وہ آج جب گزرے
نظر بچائے ہوئے تیوریاں چڑھائے ہوئے

فراق

وہ شانِ بدگمانی جان و ایمانِ محبت تھی
نہ بھولے گا تیرا وہ کچھ جھجک کر مہرباں ہونا

فراق

دل بھی ششدر رہ گئے آنکھیں حیراں ہو گئیں
سب ادائیں حسن کی آئینہ ساماں ہو گئیں

فراق

ہیں تو ہیں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
اِک قیامت ہے ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

مولینا حالی

ہاں کہو، شرما گئے کیوں؟ کیا کہا
تم اگر چاہو تو پھر کیا چاہیئے

صابر

رازِ الفت نہ فاش ہو جائے!
مجھ کو شرما کے دیکھتا ہے تُو

وجد

نگہِ التفاتِ یار میں بھی!
لُطف ہے پُرسشِ زبانی کا

وحید

وہ دیکھتے جاتے ہیں کن انکھیوں سے ادھر بھی
چلتا ہوا جادُو ہے محبت کی نظر بھی

بیخود دہلوی

خاموش ہوں میں اور وُہ کچھ پوچھ رہے ہیں
ماتھے پہ شکن بھی ہے عنایت کی نظر بھی

بیخود

یہ ادائیں بھی میری وحشت کا ساماں ہو گئیں
نیچی نظریں آپ کی تارِ گریباں ہو گئیں

بیخود

جھجکا، نظر چرائی، ڈرایا، خفا ہوا!
کن شوخیوں سے وصل میں بوسہ عطا ہوا

بیخود

حسن میں جب ناز شامل ہو گیا
ایک پیدا اور قاتل ہو گیا

بیخود

پہلے تو میرے آگے بے پردہ چلے آنا
منہ پھیر کے پھر کہنا کچھ کہیئے تو کیا دیکھا

بیخود

بگاڑ میں بھی تو انداز ہے لگاوٹ کا
نظر چرا کے وہ اُن کا سلام کر لینا

بیخود

بجلی گری اور آنچ نہ آئی کلیم پر!
شاید ہنسی بھی آ گئی اُن کو جلال میں

سیماب

موسلے کے بھی دم اُکھڑے چلے تھے
حُسنِ نازک ادا کو دیکھا
فراقؔ

اِک لرزشِ خفی بھی تمکینِ حُسن میں
روکے ہوئے بھی تیر چلائے ہوئے سی ہیں
فراقؔ

کچھ تبسم زیرِ لب، کچھ شرم دامنگیر ہے
اُف یہ کس عالم میں کھچوائی ہوئی تصویر ہے
شکیلؔ

رس میں ڈوبی اور نکھری شوخی!
دُھل کر شبنم سے جیسے کِھلتی ہو کلی
معصُوم ہے کتنی رُوٹھ جانے کی ادا
آنکھوں میں سرشک اور ہونٹوں پہ ہنسی
فراقؔ

غضب ہے یہ ادا اُن کی دمِ آرائشِ گیسو
جھکی جاتی ہیں آنکھیں خود بخود شرمائے جاتے ہیں
جوشؔ

باتوں میں سرد مہری آنکھوں میں مہربانی
کس نے سکھائے ہیں یہ آئینِ دلستانی
جوشؔ

کوئی یہ لوٹ تو دیکھے کہ اُس نے جب چاہا
تمام ہستیٔ دل کو جگا کے لوٹ لیا
جگرؔ

قریبِ دل ہی یکایک اُٹھے تھے کچھ فتنے
یہیں کہیں کسی محشر ادا نے لوٹ لیا
جگرؔ

تمہیں بھی خبر ہے جو تم کہہ گئے ہو
خود اپنی اداؤں سے مسحور ہو کر
جگرؔ

ہر اک سے بیگانہ بن رہے ہو کسی کی جانب نظر نہیں ہے
خبر وہ رکھتے ہیں اس طرح سے کہ جیسے کوئی خبر نہیں ہے
جگرؔ

لطف سے کچھ اس نے کہا زیرِ لب
میں نے جو پوچھا تو کہا کچھ نہیں
جگرؔ

کس ادا پر جان دوں تو ہی بتا اے چشمِ یار
جس ادا کو دیکھتا ہوں حسن کی تصویر ہے

جگرؔ

اُن کے بھولے پن پہ صدقے جائیے
کہتے ہیں مجھ سے تمہیں کیا کام ہے

رنجورؔ عظیم آبادی

ایسا ہی تو نادان ہے جو بات نہ سمجھے!
بن جاتا ہے وہ جان کے بھولا میرے آگے

بیخودؔ

وہ نادان انجان بھولے ہیں ایسے
کہ سب شیوۂ دشمنی جانتے ہیں

داغؔ

وُہ بھولا پن کسی کا آہ بھُولا ہے نہ بھُولے گا
وہ رو دینا ہنسی میں اور ہنس دینا وہ رونے میں

آزادؔ عظیم آبادی

بہکا کے تم کو کوئی لگا لے نہ راہ پر!
نکلے ہو آج گھر سے میری جاں نئے نئے

رندؔ

بڑے سیدھے سادے بڑے بھولے بھالے
کوئی دیکھے اس وقت چہرہ تمہارا
آغا شاعر دہلوی

جبیں پہ سادگی نیچی نگاہیں بات میں نرمی
مخاطب کون کر سکتا ہے تم کو لفظِ قاتل سے
جوش

تلون اس قدر اے داغ پھر یہ صبر کے دعوے
گھڑی میں توبہ کرتے ہو گھڑی میں دم نکلتا ہے
داغ

جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں مر جاؤ!
جو غش آتا ہے تو مجھ پہ ہزاروں دم بھی ہوتی ہیں
داغ

یہ کیا کہ آج کچھ ہے تو کل کچھ زبان پر
شکوہ ہو یا کہ شکر مگر عمر بھر تو ہو
بیخود

کُشتے ہم بھی تیری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے
آتش

اللہ رے بتوں کی تلوّن مزاجیاں!
ہاں ہاں گھڑی میں ہے تو گھڑی میں نہیں نہیں
اخگر

نو عمر ہیں ابھی سے تلوّن مزاجیاں
غصّے کا اعتبار ہے اُن کے نہ پیار کا
گستاخ رامپوری

کبھی شرم ہے کبھی شوخیاں کبھی گدگدی کبھی چٹکیاں!
وہ بہارِ گلشنِ بے خزاں کبھی پھول ہے کبھی خار ہے
بیخود

قتل کر کے مجھ کو کہتے ہیں وہ کس انداز سے
یہ تو ہم نے صرف چاہت آزمائی آپ کی
حسرت موہانی

اُف رے شوخی ہاتھ میرا بڑھتے ہی خود پی گیا
دیر سے اصرار تھا جس کا کہ لے یہ جام لے
آرزو لکھنوی

ہنس رہے ہیں شبِ وعدہ وہ مکاں میں اپنے
ہم ادھر عیش کا سامان کئے بیٹھے ہیں
جوش

لِکھ کر جو میرا نام زمیں پر مٹا دیا!
اُن کا تھا کھیل خاک میں ہم کو مِلا دیا!

نوابِ اختر محل اختر

اَدائیں تیری کوئی سمجھا نہ سمجھے
ہنسا کر رُلایا، رُلا کر ہنسایا!

ساغر نظامی

عجب کچھ لُطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل رُو سوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

ولی دکنی

وہ دیکھتے ہیں جب کہ نہ دیکھے کوئی اُن کو
دیکھے کوئی اُن کو تو وہ دیکھا نہیں کرتے

مولیٰنا صبا

دیکھا جو مجھے پھیر لیا وُہ راستہ سے کترا بھی گئے
زلفوں کی طرح بل بھی کھایا موجوں کی طرح لہرا بھی گئے

اثر

شباب

چمن میں دیکھتا ہوں جب بھی لالہ و گل کو
نظر میں پھرتے ہیں نقشے تیری جوانی کے

اس کے عہدِ شباب میں جینا
جینے والو تمہیں ہوا کیا ہے
اختر شیرانی

وہ سامنے ہیں نظامِ حیات برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے
اصغر

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا
غالب

تیرے سروِ قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
غالب

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گذر میں خاک نہیں
غالب

لبوں پہ آہ دل میں دھڑکنیں آنکھوں میں لشکِ خوں
جوانی لے کر آتی ہے یہ سوغاتیں جوانی کی
اختر شیرانی

پھول بکھراتا ہوا نکہتیں برساتا ہوا
وہ سمن رنگ و سمن بو سمن پوش آیا

اختر شیرانی

چمن میں دیکھتا ہوں جب بھی لالہ و گل کو
نظر میں پھرتے ہیں نقشے تیری جوانی کے

اختر شیرانی

اداؤں میں شوخی چھلکنے لگی ہے
قیامت کو لے کر شباب آگیا

جگر

یہ کس کو دیکھ کر دیکھا ہے میں نے بزمِ ہستی کو
کہ جو شے ہے نگاہوں کو حسیں معلوم ہوتی ہے

اختر شیرانی

باہ بکرِ شوخیاں رنگینیوں پہ تُل گئیں!
رنگ کی پڑیاں ہزاروں اکیدن میں کھُل گئیں

جوش

یہ بات، یہ تبسم، یہ ناز، یہ نگاہیں!
آخر تمہیں بتاؤ کیونکر نہ تم کو چاہیں!

جوش

بساطِ عالمِ امکاں اُلٹ نہ جائے کہیں
نہ پوچھ بہر خدا شرحِ حسنِ یار نہ پوچھ!
جوشؔ

مجھے خود ڈھونڈتے پھرتے تھے جلوے
وہ دن اب ڈھونڈھ کر لاؤں کہاں سے
جوشؔ

تمنا تھی کبھی جلووں کو میری
کہاں سے لاؤں وہ اپنا زمانہ
عارف بٹالوی

ہواؤں کا مہک اُٹھنا فضاؤں کا بہک اُٹھنا
وہ مہکاتے ہوئے آنا وہ بہکاتے ہوئے آنا
اختر شیرانیؔ

قدم ڈگمگائے نظر بہکی بہکی!
جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں
جگرؔ

اللہ شرم رکھ لے تو میرے جنگجو کی
آئینہ رُو برُو ہے چھڑیں ہیں دُوبدُو کی
جگرؔ

یہ حسن و جمال اُن کا یہ عشق و شباب اپنا
جینے کی تمنّا ہے مرنے کا زمانہ ہے

جگرؔ

شباب اور مکمل شباب کیا کہنا
بہار اور مجسم بہار، کیا کہنا

جگرؔ

تمہیں اپنے حُسن کا واسطہ ذرا حُسن کی اُسی شان سے
اسی رنگ سے اُسی آن سے چلے آؤ منظرِ عام تک

بہزادؔ

اِس قدر کھویا کہ جلوؤں کو نہ سجدہ کر سکا
اُف تجلّی تو نے میری بندگی بھی لُوٹ لی

بہزادؔ

یہ نشہ بھی کیا نشہ ہے کہتے ہیں جسکو حُسن
جب دیکھئے کچھ نیند سی آنکھوں میں بھری ہے

جگرؔ

ہم نے اُن کا شباب دیکھ لیا
یا قیامت کا خواب دیکھ لیا

بہزادؔ

بہارِ گلستاں کیا ہے بہارِ حُسن کے آگے
کلی گر مستقل کِھلتی تیری تصویر ہو جاتی
بہزاد

گزرا ہے صبا کون بتا آج ادھر سے،
گلشن میں تیرے پھولوں کی یہ باس نہیں ہے
میر درد

اعضا میں لچک لب پہ ہنسی آنکھوں میں رس،
اللہ رے بھرپور جوانی تیری
نامعلوم

اُٹھلائے پھرتی ہے اُن کو جوانی!
قدم پڑتا نہیں اُن کا زمیں پر!
ریاض خیرآبادی

پڑتی ہے تجھ پہ فرشتوں کی نظر
منہ چھپا او سونے والے بام کے
شوق

یہ چھلکتا ہوا کیا جامِ شراب آتا ہے
اے میں قربان میرا عہدِ شباب آتا ہے
ریاض

یہ کالی کالی بوتلیں جو ہیں شراب کی!
راتیں ہیں اس میں بند ہمارے شباب کی
ریاضؔ

تجلیوں کی شوخیاں سمٹ کے حسن بن گئیں
ہزار سادگی سہی شباب پھر شباب ہے
نامعلوم

ہر چیز پر بہار تھی ہر شے میں حسن تھا
دُنیا جوان تھی میرے عہدِ شباب میں
سیمابؔ

بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے
تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے!
شادؔ عظیم آبادی

عنادِل عارضِ گُل چُومتے ہیں وجد میں آ کر
چمن میں کون برساتا ہوا کیفِ شباب آیا
سراج الدین ظفرؔ

کیا کہوں اس شوخ پر کس رنگ سے آیا شباب
جیسے مینائے بلوریں میں کوئی بھر دے شراب
حبیبؔ ضیائی

اس کا نقشہ ہے یہ جوانی میں
چاند ڈوبا ہو جیسے پانی میں

عدمؔ

نظر بازو جوانی اُن کی ہوگی دید کے قابل
ابھی تو گھٹنوں چلنے لگا شوقِ عُریانی

ظریفؔ لکھنوی

ساقی شراب لایا، مطرب رُباب لایا
تجھ پہ تو اک قیامت تیرا شباب لایا

مصحفیؔ

یہ ناز، یہ غرور لڑکپن میں تو نہ تھا
کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے

سراج الدین آرزوؔ

چھیڑی جو میں نے تیری جوانی کی داستان
تارے، شراب، پھول سبھی مسکرا دئیے

نجمہ تصدق

ٹھہری ٹھہری سی موجِ برقِ جمال
چھلکی چھلکی شرابِ ناب ہے تو

فراقؔ

تیرے قریب آ کے جو آئے مجھے سُرور
خوشبو کہوں شراب کہوں یا نشہ کہوں!
عارف بٹالوی

اُف یہ مستی شباب کا عالم
بے پیئے لڑکھڑا رہا ہوں مَیں
شاطر

بِن پیئے بدمست ہو جاتا ہوں تم کو دیکھ کر
ڈگمگا جاتی ہیں نظریں لڑکھڑا جاتا ہوں میں
عارف بٹالوی

دو چار ہو رہا ہوں تمہارے شباب سے
گویا مِلا رہا ہوں نظر آفتاب سے
بیخود

پھُونک ڈالا ہے اس نے خرمنِ عشق
آگ ہے آگ، یہ شباب نہیں
بہزاد

کیوں پڑا تھلکے نہ جی میرے کلیجے میں بھلا
ہے تمہارا رُوپ ایسا جیسے پارے کا ڈلا
انشا

عکس ہے مکھ چاندنی تیرا
دہکی راتوں کا ماہتاب ہے تو
بجلی چاندنی میں شعلوں کی کروٹ
موجِ برق تہِ سحاب ہے تو
تجھ سے جوبن اُجالی راتوں پر
ماہتابوں کا ماہتاب ہے تو
رنگ رس ادھ کھلے شگوفوں کا
مُسکراتا ہوا شباب ہے تو

فراقؔ

کسی کا عہدِ طفلی جا رہا ہے
قیامت کا زمانہ آ رہا ہے

جرأتؔ امروہوی

سرو پر ڈالیں چمن میں کیا نظر
دیکھ کر اُس سروِ سیم اندام کو

حافظؔ شیرازی

نام ہے کیا اس ہنگامے کا آغازِ شباب
ایک آندھی سی چلی آتی ہے ارمانوں کی

نہالؔ سیوہاروی

تبسم زیرِ لب نیچی نگاہیں شرمگیں آنکھیں
یہ معصومانہ صورت اور خوں میری جوانی کا

عطیہ مظہر

شباب آیا غمِ دل کے جواں ہونے کا وقت آیا
سلگتی آگ کے شعلہ فشاں ہونے کا وقت آیا
اُمنگوں کے مچل کر بیکراں ہونے کا وقت آیا
شگوفوں کے چٹک کر گلستاں ہونے کا وقت آیا
نظر نے خاک کے ذرّوں کو تاروں کی ضیا بخشی
ہر اِک پامالِ رہ کے کہکشاں ہونے کا وقت آیا

برج لال جگی رعنا

شباب حسُن کا حسُنِ شباب دیکھ لیا
اُچھال اُچھال کے جامِ شراب دیکھ لیا

جگر

آشکار اس قدر شباب نہ کر
میرا جینا مجھے عذاب نہ کر

قیوم نظر

یہ کون نو بہارِ ناز آیا عضو عضو میں
جوانیاں جوانیوں کی آندھیاں لیے ہوئے

فراق

حشر کا آفتاب بکھرا یا!
تیری اُٹھتی جوانیاں نہ گئیں!

فراق

بلائے ناگہانی بھی پیامِ زندگانی بھی
قیامت ہے قیامت یہ تیری اٹھتی جوانی بھی

فراق

ساقی پھولوں کی جانب دیکھ ساقی
یہی تیری جوانی کا سماں ہے

ولی

یہ دن تو شوخیاں آنے کے دن ہیں
حیا کیسی مچل جانے کے دن ہیں

بیخود

نوجوانی کا حُسن کیا کہنا!
ہر ادا لاجواب ہوتی ہے

وجد

حجاب دُور تمہارا شباب کر دے گا
یہ وہ نشہ ہے تمہیں بے حجاب کر دے گا
بیخود

دیکھئے کیا قیامت آتی ہے!
اور کچھ دن اگر شباب رہا!
بیخود

وہ کچھ مسکرانا وہ کچھ جھینپ جانا
جوانی ادائیں سکھاتی ہے کیا کیا
بیخود

اتنی سی عمر میں تو فتنے بپا کیے
ڈھاتا ہے قہر دیکھئے کیا آپکا شباب
بیخود

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تیری جوانی تک
فانی بدایونی

چھلکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی
تصویر کھینچیں آج کسی کے شباب کی
ریاض

جو بات تیرے حسن میں ہے لاجواب ہے
انداز، ناز، غمزہ، کرشمہ، ادا، شباب

بیخود

آنکھوں سے ٹپکی پڑتی ہیں بدمستیاں تیری
اللہ تیرا جوش پہ آیا ہوا شباب
لاکھوں پہ دل نثار ہوا بے مبالغہ
آفت میں مبتلا رہے جب تک رہا شباب

بیخود

غمزہ و ناز و مستی و شوخی
فتنہ کامیاب کیا کہنا

ساغر جعفری

چمن بہار سراپا تو بن گیا لیکن
جوابِ رنگ و بہارِ شباب ہو نہ سکا

سیماب

عشق ہے اک جوش سیلاب جوانی تند و تیز
حسن ہے اک موجۂ رنگین طوفانِ شباب

سیماب

تُو وہ بہارِ تازہ دُنیائے رنگ و بُو کی
اِک بار جس نے دیکھا تا حشر آرزُو کی

جگرؔ

بعدِ شباب کتنی بے لطفیاں ہیں طاری
جیسے کوئی کمی ہو سامانِ زندگی میں

سیمابؔ

بقدرِ ذوق ہے رنگینیٔ بہارِ جمال!
یہ ہے نظر کی جوانی تیرا شباب نہیں

سیمابؔ

ہر وقت نشہ ہر وقت مستی تصویرِ جنت ہر نقشِ ہستی
بے جام و بادہ اک سرگرانی ہائے محبت ہائے جوانی
پھولوں کے اُبھرے کلیوں کے گُھنے سینے پہ لرزاں رُخ پہ پریشاں
سانسیں معطّر، راتیں سُہانی، ہائے محبت ہائے جوانی
سانسوں میں گرمی مُنہ پہ پسینہ آنکھوں میں شعلے دل میں شرارے
نظروں میں دنیا، لیلیٰ ثانی، ہائے محبت ہائے جوانی

سیمابؔ

نہ ہے یہ تمکنتِ حُسن و کیفِ سرمستی
چھلکنے کے لئے پیمانۂ شباب نہ تھا
فراقؔ

تنگ آ گئے ہیں گرمیٔ ارمانِ شوق سے
وہ ہاتھ اُٹھا کے کوس رہے ہیں شباب کو
سیمابؔ

سوتے جادُو جگانے والے دن ہیں
عمروں کی حدیں ملانے والے دن ہیں
کنیا اب کامنی ہے ہونے والی
آنکھوں کو نین بنانے والے دن ہیں
فراقؔ

کس بادہ سے چوُر ہے جوانی تیری
کن شعلوں کا نوُر ہے جوانی تیری
جیسے جوالا مکھی ہو پھٹنے والا
کتنی بھرپوُر ہے جوانی تیری
فراقؔ

چھیتھڑوں میں دیدنی ہے روئے غمگین شباب
ابر کے آوارہ ٹکڑوں میں ہو جیسے ماہتاب
جوش

جڑیں پہاڑوں کی ٹوٹ جاتیں فلک تو کیا عرش کانپ اُٹھتا
اگر میں دل پر نہ روک لیتا تمام زورِ شباب تیرا
جوش

سمجھتی ہیں مآلِ گُل مگر کیا زورِ فطرت ہے
سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسم آ ہی جاتا ہے
جوش

نبضیں چھُٹی ہوئی ہیں ساون کے بادلوں کی
اللہ رے تیری کافر اٹھتی ہوئی جوانی
جوش

فلک نظر سے تڑپ رہا ہے زمین عشووں سے ہل رہی ہے
کہاں سے پایا ہے او ستمگر! یہ مست و کافر شباب تُو نے
جوش

شباب رنگیں جمال رنگیں وہ سر سے پا تک تمام رنگیں!
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں تمام رنگیں بنا رہے ہیں
جگر

جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تمنا بھی
ہمارے گھر کی آبادی قیامِ مہماں تک ہے
اقبالؔ

ساقی سوائے نشہ کے کیا ہے شراب میں
دیکھو تو کیا نہیں ہے کسی کے شباب میں
عارفؔ بٹالوی

ہر آن بانیٔ ستم و جور ہو گئے!
تم نوجوان ہوتے ہی کچھ اور ہو گئے
خورشیدؔ

آئینہ رُو برُو ہے کچھ گنگنا رہے ہیں
زلفیں سنور چکی ہیں قشقہ لگا رہے ہیں
جگمگہؔ

نغمے کی گُونج، پھول کا رس، مے کی چاندنی
جس کے یہ نام ہیں وہ جوانی کا جوش ہے
عدمؔ

مہک، خرام، تبسم، شگفتگی بہار
بتاؤ کیا نہیں ظالم میں گلستاں کی طرح
عارفؔ بٹالوی

عتاب

میں نے فانی ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

عتاب

ہائے ری وہ عتاب ہیں اُنکی اداؤں میں اُنکی شکل،
آنکھیں بھی سُرخ سُرخ سی چہرہ بھی لال لال سا

جگرؔ

اُس نے شانوں پہ زلف برہم کی
خیر یارب نظامِ عالم کی

جگرؔ

مجھ سے بھی خفا ہو میری آہوں سے بھی برہم
تم بھی ہو عجیب چیز کہ لڑتے ہو ہوا سے

حسرتؔ موہانی

عزمِ سوال کیا کہوں رعبِ جمال کیا کہوں
حسرتِ گفتگو تو ہے جرأتِ گفتگو نہیں

شکیلؔ

قہر بھری نگاہ سے عکسِ حسیں نہ دیکھئے
جذبِ نگاہ کی قسم آئینہ ٹوٹ جائے گا

شکیلؔ

رنگ بدل کے رہ گیا گلشنِ روزگار بھی
ہم سے وہ کیا خفا ہوئے روٹھ گئی بہار بھی

شکیلؔ

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گِلہ نہ ہوا

غالب

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں

غالب

تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خُو تو کیوں کر ہو

غالب

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

غالب

قسم ہے آپ کے ہر روز رُوٹھ جانے کی
کہ اب ہوس ہے اجل کو گلے لگانے کی

جوش ملیح آبادی

اُٹھے عجب انداز سے وہ جوشِ غضب میں
چڑھتا ہوا اک حُسن کا دریا نظر آیا

اصغر گونڈوی

وہ نظر اس کی جو ہے وجہ صد رشحِ حیات
مجھ تک آئے تو وہی تیرِ قضا ہو جائے

اصغر

ہر ستم ہے کرم کے پردے میں
اس ستم کی کوئی مثال بھی ہے

جگر

تصوّر میں کوئی پھر آ رہا ہے
الٰہی خیر، دل گھبرا رہا ہے

بہزاد

غرورِ حسن حجابِ دوشیزگی سے عیاں
نظر جھکائے ہوئے تیوریاں چڑھائے ہوئے

شکیل

جس کی تیوری نے جان لے لی ہے
عارفؔ اس کا عتاب کیا ہو گا

عارف بٹالوی

اُٹھا جاتا ہوں لو میں آج دُنیا سے خفا ہو کر
لئے بیٹھے رہیں اب حشر تک وہ برہمی اپنی

شعری بھوپالی

تڑپتے دیکھ کر مجھ کو کہا ہنس کر یہ اُس بت نے
خدا کے دوست کو رنج و الم میں بیشتر دیکھا
آتش

پان دان اپنا بصد غیظ اُٹھا کر پٹکا!
توڑ کر رکھ دیا پانی کا بھرا سا مٹکا!
علی منظور

ہاتھ میں لے کے کنول پھینک دیا آنگن میں
چاہیئے تھا کہ لگے آگ میرے تن من میں
علی منظور

شبِ وصل چھیڑا تو جھنجلا کے بولے
یہ کیا کر رہے ہو، یہ کیا ہو رہا ہے
ریاض خیرآبادی

نہ جانے اُس نے کیوں دیکھا نگاہِ تیز سے مجھکو
نہ جانے کیوں میرے دل کی کلی مرجھائی جاتی ہے
رُسوا

آئے نظر جو آپ کے تیور خراب سے
موتی برس پڑے میری چشم پُر آب سے
بہزاد

چھو رہی ہے نرم رو جھونکوں سے پانی کو نسیم
اس طرح آغوش میں لہروں کے کھلتے ہیں کنول
جیسے اِک دوشیزہ کے ہمجولیوں کی چھیڑ سے
ضبط کرتے کرتے بھی پڑ جاتے ہیں ماتھے پہ بل

مخشب

وہ کہتا ہے میں توڑوں گا میں کہتا ہوں نہ توڑ اس کو
وہ کہتا ہے کھلونا ہے مَیں کہتا ہوں میرا دل ہے

آغا حشر

سوئی تھی مزے میں کہ گئی نیند اُچاٹ ہائے
کیا جانیے کیسا یہ ہوا شور نگوڑا

انشا

گرگٹ کی طرح کالا کبھی لال ہو گیا!
غصے میں مردوئے کا عجب حال ہو گیا!

جان

کیا قتل عالم نے اس طرح مجھ کو
کہ آٹھ آٹھ آنسو چھری رو رہی ہے

جری امروہوی

جب کسی سے کوئی پیمانِ وفا کرتا ہے
کانپ اٹھتا ہوں کہ میرا ہی سا انجام نہ ہو
عطیہ منظرؔ

تیرے غصے کی حالت پر تصدّق
بڑا رنگین عالم ہو رہا ہے
عارفؔ بٹالوی

نہ بجلی بیقرار ایسی نہ پارہ مضطرب ایسا
کہاں سے تو نے سیکھا آخر اتنا تند خو رہنا
صابرؔ

آپ نے آئینے کو توڑ دیا
حُسن دیکھا جو اپنے ثانی کا
صابرؔ

بگڑنا اُس کا غصے میں بھی شوخی سے نہیں خالی
مزے کی بات کہہ جاتا ہے ظالم بے مزہ ہو کر
بیخودؔ

دم ہے باقی نہ تغافل کا رہا ہے باقی
قہر کی آنکھ سے یہ کس نے ادھر دیکھ لیا
بیخودؔ

وصل میں وہ کچھے رہے ہم سے
مہربانی میں بھی عتاب رہا
بیخود

تیرے غصّے کو ابھی غیر نے دیکھا کیا ہے
تیغ بن جاتا ہے ماتھے کی شکن میں دبکر
بیخود

جھکیں تو خوفناک گریں تو حیات سوز
ساون کی بجلیاں ہیں نگاہیں عتاب کی
سیماب

وہ برہم ہو گئے زلفیں ذرا رُخ سے جو سرکائیں
خطا گر اور کچھ ہوتی نہیں معلوم کیا ہوتا
طبا طبائی

رخساروں پہ زلفوں کی گھٹا چھائی ہوئی
آنسو کی لکیر آنکھوں میں لہرائی ہوئی
وہ دل اُمڈا ہوا وہ پریمی سے بگاڑ
آواز غم و غصّہ سے بھرّائی ہوئی
فراق

تمتما اُٹھے وہ عارض میرے عرضِ شوق پر
حسن جاگ اُٹھا وہیں جب عشق نے فریاد کی

اصغر

وہ غریب دل کو سبق ملے کہ خوشی کے نام سے ڈر گیا
کہیں ہنس کے تم نے جو بات کی تو ہمارا چہرہ اتر گیا

جوشش

یہ بکھرے بکھرے سے رخ پہ گیسو جبیں پہ کچھ پیچ و تاب بھی ہے
ابھی ابھی وہ ہوئے ہیں برہم ابھی ابھی پھر خطاب بھی ہے

ابنِ علی اشک

کیوں اُلجھتے ہیں آئینے سے حضور
وہ جو محوِ جمال تھا، میں تھا

عراقی

وہ تصور میں بھی آنے سے حذر کرتے ہیں
اس قدر بھی نہ کسی سے ہو گریزاں کوئی

جوش ملسیانی

ستم یار کی دُہائی ہے!
نگہِ التفات نے مارا!

جگر

سفّاک چتونیں بھی ہیں قاتل نظر بھی ہے
کیا چیز ہو گئے ہو تمہیں کچھ خبر بھی ہے

جگرؔ

کبھی رُوئے زیبا پہ غصّے کی لہریں
کہ جیسے کوئی بجلیوں کا خزانہ

جگرؔ

عشق کے عالم میں ہے اِک خلفشار
چتونوں کی فتنہ سامانی نہ پوچھ

دوستؔ جالندھری

ابھی مٹا نہیں دعویٰ ستم رسیدوں کا
کفن ہوا نہیں میلا تیرے شہیدوں کا

فغاںؔ دہلوی

اُن کو تو ہم نے چاہا وہ یُوں ستا رہے ہیں
اے چرخ کینہ پرور تو کیوں ستا رہا ہے

رساؔ رامپوری

گرچہ الطاف کے قابل یہ دلِ زار نہ تھا
اِس قدر جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

مظہرؔ جانِ جاناں

عتاب

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے!
گھُٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

شاد لکھنوی

ہم تو سمجھے تھے کہ ہونگے اور بھی ظلم و ستم
حوصلہ کچھ بھی نہ دیکھا آپ کی بیداد کا

جوہر

ہم خاصگانِ اہلِ نظر اور یہ قتلِ عام
جور و ستم بھی کر تو ستمگار دیکھ کر

جوہر

ہے ظلم و ستم عام ترا پھر بھی ستمگر
مخصُوص اک انداز جفا میرے لئے ہے

جوہر

کب تک یہ ستم تیرے سہے جائینگے ہم سے
ہوتا ہے جگر سینے میں، پتھر نہیں ہوتا

رفعت دہلوی

نظریں اُٹھیں اور اُٹھ کے جھکیں تمکنت کیساتھ
گویا یہی جواب تھا میرے سوال کا

دیگر اکبر آبادی

فرخ اک آہ کھینچ کے خاموش ہو گیا
پھر بھی اُنہیں گلہ ہے کہ قصّہ دراز تھا
فرخ بنارسی

الٰہی دیکھئے کیوں کر نبھا ہوتا ہے!
زباں دراز ہوں میں اور بد زباں صیّاد
رند

تمہاری بد مزاجی ہمیں کیونکر نہ خوف آئے
مثل مشہور ہے صاحب بُرے سے سب ہی ڈرتے ہیں
داغ

مجھے بھی ہر گھڑی کی بدزبانی خوش نہیں آتی
کہوں گا پھر جو میں کچھ طبع نازک پر گراں ہو گا
راجہ

اللہ رے بد مزاجی کرتا ہے عاشقوں سے
وہ گفتگو کہ جس میں اُلفت کی بُو نہ آئے
ہوش

محبت ہم نے چھوڑی جب بڑھی تکرار آپس میں
کیا کوتاہ سب جھگڑا زبانوں کی درازی نے
اشک لکھنوی

تم کو ذرا سی بات کی برداشت ہی نہیں
ایسا اکھل کھرا بھی ہے کس کام کا مزاج
داغ

گرمی سہی مزاج میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی
غالب

بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں کے سوا
کیجئے قتل مگر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو
داغ

ارے کہہ کے بولے تو کی عرض میں نے
یہ آداب اہلِ یہاں تو نہیں ہے
تو جھنجلا کے بولے ارے تیری عزت
جہاں ہے وہاں ہے یہاں تو نہیں ہے
نامعلوم

کچھ ایسے آپ نے پھیری ہیں آنکھیں
زمانے کے ستم شرما گئے ہیں
عدم

عشاق کو اتنا نہ ستا او بتِ کافر!
فریاد نہ سُن لے کہیں اللہ کسی کی
رضوانؔ

باہیں میرے رقیب کی گردن میں ڈال کے
مجھ سے مزے وہ پوچھ رہے ہیں وصال کے
ظفرؔ سہارنپوری

اے بتو بہرِ خدا در پئے آزار نہ ہو!
خیر راحت نہ سہی زیست تو دُشوار نہ ہو
اکبر الہ آبادی

اتنا تو جور و ظلم نہ کر مجھ فقیر پر
بندے خدا کے ہم بھی تو بندے خدا کے ہیں
ضامنؔ

وہ کونسی جفا ہے کہ جو تم نے کی نہیں
وہ کونسا ستم ہے جو میں نے سہا نہیں
تصویرؔ دہلوی

مانا کہ ستم تم نہیں کرتے ہو کسی پر
غیروں پہ کرم کم ہو یہ ستم بھی نہیں تھوڑا
خضرؔ

ستم تازہ نئی بیداد جب ایجاد کرتے ہیں
عنایت مجھ پہ ہوتی ہے مجھ وہ یاد کرتے ہیں

ہمدم اکبرآبادی

مجھ سے لڑے نگاہ تو لڑنے کا لطف ہے
مجھ سے لپٹ پڑو تو مزا ہے عتاب میں

دیگیر اکبرآبادی

اللہ رے اُن کا غصہ اتنا نہیں سمجھتے
کیونکر کوئی جئے گا جب یوں عتاب ہوگا

صبا لکھنوی

تیوری چڑھی ہوئی ہے کشیدہ نظر ہیں آپ
کچھ اور حوصلہ ہے جو آئے ادھر ہیں آپ

نسیم دہلوی

بے وجہ عبث کس لئے یوں ہم سے ہو خفا
آخر کوئی تقصیر ہو کوئی تو خطا ہو

منظور مدراسی

اس قہر و غضب پر تو فدا دیدہ و دل ہیں
کیا حال ہو میرا جو عنایت کی نظر ہو

جگر

صیّاد کا بُرا ہو کہ جب تک رہی بہار
بیدرد روز باغ میں لے کر قفس گیا
آرزو لکھنوی

ابھی اسیری کی ابتدا ہے اور اس پہ دو طرح کی جفا ہے
قفس بھی صیاد کھولتا ہے پروں کو بھی باندھتا ہے کَس کے
آرزو

کون اس طرزِ جفائے آسماں کی داد دے
باغ سارا پھونک ڈالا آشیاں رہنے دیا
ادیب سہارنپوری

فرما دیا کہ آج سے فریاد بھی نہ ہو
تاروں کے دل میں آہ کی تاثیر دیکھ کر
عارف بٹالوی

اندھیری رات، طوفانی ہوا، ٹوٹی ہوئی کشتی
یہی اسباب کیا کم تھے کہ اس پر ناخدا تم ہو
سرشار سیلانی

اس چمن کا ہے انوکھا دستور
غنچہ ہے یہاں مُہر بہ لب
اقبال سیفی

خرامِ ناز

دیکھو خرامِ ناز سے غنچے چٹک گئے
گویا چمن میں بادِ صبا ہو گئے ہو تم!

یہ زمین آسمان بنتی ہے
جب وہ محوِ خرام ہوتا ہے
نیّر اکبر آبادی

وہ خراماں ہو تو آئے وجد میں کُل کائنات
اُن کی رفتارِ گُل افشاں پہ مدارِ نغمہ ہے
عابد علی عابدؔ

سرو شمشاد خاک میں مل گئے
تُو نے گلشن میں کیوں خرام کیا
میرؔ

ہر نقشِ پا ہے شوخ تیرا رشکِ یاسمن
کم گوشۂ چمن سے تیرا رہ گزر نہیں
میرؔ

اس روش سے وُہ چلے گلشن میں
بجُھ گئے پھُول صبا لوٹ گئی
امیرؔ مینائی

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں!
خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں!
غالبؔ

خرامِ جلوہ کے نقش قدم تھے لالہ و گل!
کچھ اور اس کے سوا موسم بہار نہ تھا

عبدالعلیم آسی

وہ جب چلے تو قیامت بپا تھی چاروں طرف
ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

داغ

اِس طرح کہ گھنگھرو کوئی چھاگل کا نہ بولے
جب چھم سے چلیں گود میں چلکے سے اُٹھا لیں

ریاض

جاتے ہی اُن کے گویا کچھ بھی نہ تھا چمن میں
جوش بہارِ گل کو پامال کر گئے وُہ

بیخود

اللہ رے خرامِ ناز اُن کا
اِک بار تو آسماں ٹھہر جائے

سیف الدین سیف

تیری اس نقرئی پازیب کی جھنکار کے صدقے
مجھے سارا جہاں گاتا ہوا محسوس ہوتا ہے

قتیل شفائی

گنگناتی ہوئی آتی ہیں فلک سے بوندیں
کون بدلی تیری پازیب سے ٹکرائی ہے
قتیل شفائی

پایا جاتا ہے تیری شوخیِ رفتار کا رنگ
کاش پہلو میں دھڑکتا ہی رہے دل میرا
جگر

دل محوِ اضطراب نظر ساکت و خموش
یہ کون سامنے سے گزرتا چلا گیا
شکیل

ہر چند فرشِ راہ تھی ان کے لئے نگاہ
پھر بھی خبر نہیں وہ کدھر سے گزر گئے
شکیل

ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق
لرزے ہے موجِ مے تیری رفتار دیکھ کر
غالب

اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز ہو جائے!
کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمریِ نالہ فرسا ہو
غالب

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
غالب

خدائی کہکشاں کہتی ہے جس کو
وہ عذرا کا خرامِ رائگاں ہے
اختر شیرانی

تیری رفتارِ ناز کے قرباں
بنتے ہیں میرے دل پہ نقشِ قدم
جوش

اُن کی رفتار نے زمانے میں
ایسے فتنے جگائے ہیں کہ نہ پوچھ
جوش

پہلو سے اپنے جوش کو تاروں کی چھاؤں میں
آتی ہے کس نگاہ کی آوازِ پا نہ پوچھ
جوش

لو آ رہا ہے وہ کوئی مستِ خرامِ ناز!
اِس چال سے کہ لرزشِ صہبا کہیں جسے
جوش

اِس سے زیادہ اور کیا شوخیٔ نقشِ پا کہوں!
برق سی اِک چمک گئی آج سرِ نیاز میں
اصغرؔ

بیدار ہوا منظر اِس وقت خرامی سے!
غنچوں کی کھلی آنکھیں دامن کی ہوا آئی
اصغرؔ

کوثر کی موج تھی تیری ہر جنبشِ خرام
شاداب ہو گیا چمنستانِ آرزو
اصغرؔ

آ جا نکل کے سامنے اے شوخ مستِ حُسن
میں جانتا ہوں پردۂ ابرِ بہار کو
اصغرؔ

رُوپہلی چاندنی میں اپنی مستانہ خرامی سے
بہاریں خواب کے سائے میں برساتے ہوئے آنا
اخترؔ شیرانی

خرامِ ناز کہ موجِ نسیم رُک جائے!
صدقے شوخ کہ قدموں پہ زہرہ جھک جائے
اخترؔ شیرانی

تیرے نقشِ قدم کا ذرّہ ذرّہ
عبادت گاہِ جانِ عاشقاں ہے
جگرؔ

رگ رگ میں آج دوڑ گئی موجِ سرخوشی!
قربان تیری لغزشِ مستانہ وار کے
جگرؔ

یہ کون آ رہا ہے جھکائے نگاہِ ناز
بے چین ہو رہی ہے فضائے بہار کیوں
بہزادؔ

قیامت سی اٹھتی نظر آ رہی ہے!
کوئی آج محشر خرام آ رہا ہے!
بہزادؔ

وہ حشر خرامی کہ قیامت بھی خجل ہو
چلتی تھی وہ ہر گام پہ بھر بھر کے طرارے
بہزادؔ

جب نظر سے بہار گزری ہے
جی پہ رفتارِ یار گزری ہے
میر دردؔ

خرامِ ناز

اُٹھ کے دیوارِ لحد سے مُردے ٹکراتے ہیں سر
اک قیامت ہے صنم عالم تیری رفتار کا

آتش

سِکھائے جاتی ہے تیری خرامِ ناز کی شوخی
ہر اک ذرّے کو دل ہونا دلوں کو بجلیاں ہونا

وسیم خیرآبادی

چال ہے مجھ ناتواں کی مُرغِ بسمل کی تڑپ
ہر قدم پر ہے گماں یاں رہ گیا واں رہ گیا

آتش

قیامت بچھی جاتی ہے ہر قدم پر
یہ کون آرہا ہے، وُہی آرہے ہیں

ریاض خیرآبادی

یہ کس کے پاؤں کی آہٹ ملی بیمارِ ہجراں کو
سمٹ کر آ گئیں آنکھوں میں ساری حسرتیں دل کی

سرشار کھنڈوی

میرے ہی سامنے دامن اُٹھا کے ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلہ اُلٹا میرے چاکِ گریباں کا

میر

ابھی اِس راہ سے کوئی گیا ہے!
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
آتشؔ

کہیں چراغ کہیں گُل کہیں ہے دلِ برباد
خرامِ ناز نے فتنے اُٹھائے ہیں کیا کیا
فراقؔ

نرم جھنکار سازِ قامت کی!
اِک کھنکتا ہوا رُباب ہے تُو
فراقؔ

جیسے چھلک پڑے جام سے بادۂ حیات
اُف یہ زمیں کی کروٹیں، شانِ خرام کی تو دیکھ
فراقؔ

جن خوش قدموں کو ناز تھا خورشید و ماہ پر
تیرے خرامِ ناز نے نیچا دکھا دیا
حافظؔ شیرازی

قدم قدم پہ دیے اُٹھی ہے تو زمینِ رہگذر
ادا ادا میں بے شمار بجلیاں لئے ہوئے
فراقؔ

وہ مست چال کہ ہر دل اُچھل اُچھل جائے
قدم قدم سے اک آہو نکل نکل جائے
وہ قد کہ بادِ بہاری کے نرم جھونکوں سے
مثالِ شاخ لچک کر سنبھل سنبھل جائے

منظور عارف

لہرائی ہوئی قوسِ قزح قامتِ رنگیں
اُٹھتے ہیں قدم یا مہک اُٹھتا ہے گلستاں

فراق

لرزش سی ہے راہوں میں نہ ہے شوخیِ رفتار
جنبش سی ہے نظروں میں کہ ہر گردشِ دوراں

فراق

طرزِ خرام کیا بتائے رازِ نگاہ کیسے ہائے
جیسے نسیم لڑکھڑائے موجِ شراب تھرتھرائے

فراق

خرامِ ناز کی کچھ آہٹوں سے انقلاب آیا
قیامت کروٹیں لیتی اٹھی بیدار سینوں میں

فراق

چال ایسی کہ کہیں نقشِ قدم بھی نہ ملیں،
دونوں عالم سے جُدا شوخیِ رفتار ہے آج

تیری رفتار سے آتی ہے زمانے میں بہار
قدم اُٹھتے ہیں کہ دن پھرتے ہیں گلزاروں کے

کچھ نہ پوچھو دلفریبی اُس خرامِ ناز کی
دیدہ ہائے نقشِ پا سے منتظر ہر جادہ ہے

مُردے قبروں سے اُٹھے ہیں تو نہ مانو نگا کبھی
حشر کی چال میں شامل تیری رفتار نہیں

کھلائے غنچہ گُل غنچہ ہائے دل نہ کھلے!
نسیم واقفِ طرزِ خرامِ یار نہیں!

جوانی ساتھ لے کر آئی ہے شرم و نزاکت کو
تیری رفتار سے اب حشر برپا ہو نہیں سکتا

یہ چال حشر کی کس نے تمہیں سکھائی تھی،
قدم قدم پہ یہ دل پائمال کس کا تھا
بیخود

دیکھی نہ سُنی پہلے تو یہ حشر خرامی
شاکی تیری رفتار کا ہر نقشِ قدم تھا
بیخود

ہائے وہ اس کا خرامِ ناز بے پروا نہ پُوچھ
جاتے کتنے دل فدائے لغزشِ پا ہو گئے
پیام شاہجہانپوری

اِک معجزۂ خموشِ طرزِ رفتار
اُٹھتے ہیں قدم کہ سانس لیتی ہے زمیں
فراق

یہ شان سُبک روی کی کہ تارے رُک جائیں
دھارے پہ ماہِ نو کی کشتی ہے رواں
فراق

چلتی تو قدم یُوں رکھتی تھی دن جیسے کسی کے پھرتے ہیں
یا ناز سے بھیگی راتوں میں شبنم کے قطرے گرتے ہیں
جوش

اللہ رے کرامت اثرِ لغزشِ پا کی
رہ رہ کے لچکتی ہے کمر ارض و سما کی
جوشؔ

وہ جدھر ناز سے بے پردہ خراماں ہو نگے
ذرّے سب جام بکف مست و غزلخواں ہونگے
جگرؔ

اللہ رے میری تیز روی جوشِ جنوں میں
مڑ کر جو نظر کی تو بیاباں نہیں دیکھا
جگرؔ

وہ فرشِ سبزہ پہ یوں نرم گام چلتا ہے
کہ جیسے چرخ پہ ماہِ تمام چلتا ہے
عدمؔ

بڑے خلوص سے دل ٹوٹتے ہیں راہوں میں
کچھ اس ادا سے وہ محشر خرام چلتا ہے
عدمؔ

وہ لہراتے ہوئے چلتے ہیں جب صحنِ گلستاں میں
قدِ رعنا کو سروِ بوستاں کہنا ہی پڑتا ہے
عدمؔ

تیری رفتار ہے یا صبحِ ازل کی مستی!
تیری رفتار سے نغمات کی بُو آتی ہے
عدمؔ

نرمی و آہستگی سے پاؤں رکھنے کی ادا
سیکھ لیں شبنم کے قطرے آپکی رفتار سے
جوشؔ

پیدا نہ ہو زمیں سے نیا آسماں کوئی
دل کانپتا ہے آپ کی رفتار دیکھ کر
مرزا یگانہؔ

گھٹائیں بھی بہکی جا رہی ہیں اِن اداؤں پر
چمن میں جو قدم رکھتے ہیں وہ مستانہ رکھتے ہیں
اختر شیرانیؔ

جھوم جھوم اُٹھے شجر کلیوں نے آنکھیں کھولدیں
جانبِ گلشن کوئی مستِ خرام آ ہی گیا
اسرار الحق مجازؔ

کھینچ کر رکھ دی تیری لغزشِ مستانہ نے
ایک تصویر چھلکتے ہوئے پیمانے کی
فراقؔ

گُفتار

تُو نے کیا کہہ کر پُکارا تھا اُنہیں
ہِل رہے ہیں آج تک تاروں کے لب

دیکھنا موسمِ گُل جاگ اُٹھا ہے کہ نہیں
مجھ کو کلیوں کے چٹکنے کی صدا آتی ہے
عدمؔ

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
غالبؔ

پڑ گئی سازِ کائنات میں جان!
وہ گُلِ نغمہ وہ صدا ہیں آپ!
فراقؔ

میری گفتگو نمایاں ہے بغیر گفتگو بھی
میں سناؤں حالِ دل کیا کہ نظر ہی خود زباں ہے
شکیلؔ

نگاہ و دل سے تفسیرِ شرحِ آرزو ہو گی،
زبان و لب سے ترکِ التجا کرنے کا وقت آیا
شکیلؔ

دیکھنے والے میری خامشیِ لب کو نہ دیکھ
آنکھوں آنکھوں میں فسانے کہہ دیا کرتا ہوں میں
شکیلؔ

فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
سکوتِ نغمہ بنا ہوا ہے وہ جیسے کچھ گنگنا رہے ہیں
جگر

صراحی جو الٹی تو گھٹ گھٹ کے بولی
ارے چھوڑ، میرا گلا گھٹ گیا ہے
عارف بٹالوی

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسےٰ نہ ہوا
غالب

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور
غالب

جاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دمِ سماع
گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب میں
غالب

ڈھونڈے ہے اس مغنیِ آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے
غالب

رازِ اُلفت عیاں ہے کیا کہئے
ہر نظر خود زباں ہے کیا کہئے

شکیل

اُن کو شرحِ غم سُنائی جائے گی
آگ پانی میں لگائی جائے گی

شکیل

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھُل گیا
بلبلیں سن کر میرے نالے غزلخواں ہو گئیں

غالب

زمانہ ذوقِ سماعت سے پی رہا ہے شراب
سنا رہی ہے وہ افسانہ چشمِ بادہ فروش!

جوش

فرشِ زمردیں پر کچھ پھُول سو رہے ہیں
نغمے کے پر کی جنبش جن کو جگا رہی ہے

اختر شیرانی

غنچے غنچے کو مات کرتے ہیں!
جب وہ ہنس ہنس کے بات کرتے ہیں

عارف بٹالوی

سوئی ہوئی فضا کا شانہ ہلا رہی ہے
ہر جنبشِ زباں سے مُردے جلا رہی ہے
بیدار کر رہی ہے مدہوش گھاٹیوں کو
خوابیدہ ساحلوں کی نیندیں اُڑا رہی ہے
ہر لرزشِ فضا میں طوفاں اُمڈ رہے ہیں
کس دُکھ بھری صدا سے تانیں اُڑا رہی ہے

اختر شیرانی

پھر دیکھیے اندازِ گل افشانیٔ گفتار
رکھ دے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے

غالب

لب پہ کچھ بات آئی جاتی ہے
خامشی مسکرائی جاتی ہے

رُسوا

وہ شانِ خامشی کہ بہاریں ہیں منتظر!
وہ رنگِ گفتگو کہ گلستاں کھلا دیا

فراق

★

رات گزری ہے جستجو کرتے
چاند تاروں سے گفتگو کرتے
بہزاد

جھجک کر گفتگو کرنا ہے اپنا راز کہہ دینا
اسی نازک سے پردے میں تمنّا پائی جاتی ہے
نخشب

دیا دشنام میٹھا کر دیا مُنہ واہ کیا کہنا!
جوابِ تلخ ان ہونٹوں سے لب ہیں یا شکر پارا
حافظ شیرازی

اِک حسیں طنز ہے اعجازِ مسیحائی پر
پھُول کھلتے ہیں چمن میں تیری گفتار کے ساتھ
عارف بٹالوی

تیری صدا سے اب بھی ہے تاروں میں تھرتھری
لَو دے رہا ہے بند بھی ہونے کے بعد راگ
فراقؔ

باتوں سے فراقؔ اُن کی معطّر ہے سماعت
ہر لفظ میں خوشبوئے دہن کھیل رہی ہے
فراقؔ

آفریں لطفِ کلامِ یار پر
ہے یقیں اقرار کا انکار پر

صابر

کھا کے آتے ہو قسم آج کسی کی جھوٹی
لبِ رنگیں میں وہ شیرینیٔ گفتار نہیں

بیخود

تیرے سوا اے جانِ اُلفت کلام بھاتا نہیں کسی کا
تجھے یقیں آئے یا نہ آئے یہ راز ہے میری خامشی کا

وجد

موجِ صبا کی چھیڑ سے غنچہ چٹک گیا
یوں اُن سے عرضِ حال میری مختصر ہوئی

وجد

پھر ذرا ماہ و کواکب کا تکلّم دیکھئے
کیجیئے خاموش ہو کر گفتگو میری طرح

سیماب

پھر مرے جذبات پر پھولوں کی بارش کیجیئے
پھر لبِ رنگیں نوا سے گل فشاں ہو جائیے

سیماب

یہ نقرئی آواز یہ مترنم خواب
تاروں پہ پڑ رہی ہو جیسے مضراب
غنچے میں یہ کھنک یہ رس یہ جھنکار
چاندی کی گھنٹیوں کا بجنا تہِ آب

فراقؔ

لبِ گل رنگ کو ہوتی ہے جنبش جب تصور میں
سماعت کی زمیں پر گل فشانی اب بھی ہوتی ہے

جوشؔ

کہیں ذکر رہتا ہے اقبال تیرا
فسوں تھا کوئی تیری گفتار کیا تھی

اقبالؔ

زمانہ دیکھے گا جب میرے دل سے حشر اٹھیگا گفتگو کا
میری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا

اقبالؔ

اب تک ہے دل میں روشنی سی
اس نے کہا تھا کچھ مسکرا کر

عندلیب شادانی

بد دُعا تھی کہ دُعا کچھ نہیں کھلتا لیکن
چپکے چپکے لبِ نازک سے کچھ ارشاد کیا

جگرؔ

جو دل میں ڈوب نہ جائے وہ گفتگو کیا ہے
جو چھا نہ جائے وہ پیغامِ آرزو کیا ہے

جگرؔ

اُسے صیّاد نے کچھ، گُل نے کچھ، بلبل نے کچھ سمجھا
چمن میں کتنی معنی خیز تھی اِک خامشی میری

جگرؔ

تم سُنا دو کسی پردے سے جو اپنی آواز
رُوحِ خوابیدہ ابھی جسم میں زندہ ہو جائے

جگرؔ

سمجھ میں صاف آ جائے فصاحت اِسکو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

اکبر الہ آبادی

اثر لبھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو تیری زبان میں ہے

نامعلوم

منہ کھلے خُم کا نہ واعظ قلقلِ مینا کے بعد
میکدے کو طول اتنا تو نہ دے تقریر کا

ریاض

نغمۂ پُر درد چھیڑا میں نے اس انداز سے
خود بخود مجھ پہ نظر پڑنے لگی صیّاد کی

اصغر

بیاں کس منہ سے ہو وے یار کی شیریں کلامی کا
زباں پر اپنی اب تک لذّتِ تقریر پھرتی ہے

غافل

سُنا کرتے ہیں بہروں دل لگا کر میرے شیون کو
سخن سنجی سکھاتا ہوں نواسنجانِ گلشن کو

مائل دہلوی

جگر میں چٹکیاں لیتی ہے ہر طرزِ فغاں میری
کہاں سے لائیگی بلبل دہن میرا زباں میری

نامعلوم

کیا بات ہے اے یوسفِ ثانی تیری
ساغر کی کھنک ہے خوش بیانی تیری

فراق

کچھ اس انداز سے چھیڑا تھا میں نے نغمۂ رنگیں
کہ فرطِ شوق سے جھومی ہے شاخِ آشیاں میری

اصغر

یوں بات ہو رہی تھی نگاہوں کے سامنے
جیسے کہ ایک نطق کا دریا خموش تھا

عدیم

جو تیرے لب پہ باندازِ مطربانہ رہا!
زبانِ طائرِ سدرہ پہ وہ ترانہ رہا!

ساغر نظا

نغمے ہوا نے چھیڑے فطرت کی بانسری میں
پیدا ہوئیں زبانیں جنگل کی خامشی میں

ساغر نظا

ہر نظر گانوں میں گا جاتی ہے اک رودادِ مست
تیری آنکھوں سے رواں اک آبشارِ نغمہ ہے

ساغر نظا

خامشی کا تو نام ہوتا ہے
ورنہ یوں بھی کلام ہوتا ہے

اسرار الحق

سوتی قسمت چونک اٹھی ہے!
تو بولا یا حبابؔ دو بولا!

فراقؔ

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

غالبؔ

گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

غالبؔ

جانبِ دل کوئی آتا ہے باندازِ لطیف
کہہ نہیں سکتا یہ تو ہے یا تیری آواز ہے

ساغرؔ نظامی

گلشن میں آگ لگ گئی میرے بیاں کے بعد
گُل سینہ چاک ہو گئے میری فغاں کے بعد

عارفؔ بٹالوی

کیا خبر تھی خلشِ ناز نہ جینے دے گی
یہ تیری پیار کی آواز نہ جینے دے گی

اصغرؔ

نزاکت

توڑ کر پھول وہ جھنجلا کے یہ فرماتے ہیں
آتشِ گُل سے مرے ہاتھ جلے جاتے ہیں

نزاکت اُس گُلِ رعنا کی دیکھیو انشا!
نسیمِ صبح جو چھُو جائے رنگ ہو میلا
انشا

شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
دُکھتے ہیں آج اُس بُتِ نازک بدن کے پاؤں
غالب

اگرچہ تھا تو ارادہ مگر خدا کا ہے شکر
اُٹھا سکا نہ نزاکت سے گُل بدن تکیہ
غالب

لاغر اتنا ہوں کہ گر تُو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمّہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
غالب

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
ہاتھ آویں تو اُنہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
غالب

جو کبھی خواب میں بھی آئیں تو کُملا جائیں
ایسی پریوں میں گزاری ہے جوانی ہم نے
اختر شیرانی

وہ گلبدن کہ اگر سیرِ گل کو آ جائے
غرورِ گل کی نزاکت کا سب مٹا جائے
اختر شیرانی

اللہ اللہ میں بھی کیا نازک مزاجِ عشق ہوں
نکہتِ گل بھی ہے وجہِ دردِ سر میرے لئے
جگر

ہوا جو ذکر چمن میں تیری نزاکت کا
سفید رنگ رخِ یاسمن نظر آیا
آتش

وہ نازنیں یہ نزاکت میں کچھ یگانہ ہوا
جو پہنی پھولوں کی بدھی تو دردِ شانہ ہوا
آتش

پڑے ہیں صورتِ نقشِ قدم نہ چھیڑو ہمیں
ہم اور خاک میں مل جائیں گے اٹھانے سے
آسی

کاندھا میرے جنازے کو کیا دے وہ نازنیں
بھاری ہے جس کو زلف سرِ نام دوش پہ
آتش

چبھتی ہے یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا
کوئی منا دی میرے واسطے لا ری انگیا

انشا

جس کے رخسار کو نیلا کرے بوسے کا خیال
ایسے نازک سے نکالے کوئی ارماں کیونکر

نامعلوم

خواب میں آنکھیں جو تلووں سے ملیں
بولے اُف اُف پاؤں میرا اچھل گیا

امیر مینائی

سُبک روی میں بھی بوجھل ہیں حسن کے شانے
قدم قدم پہ لچکتی کمر کو دیکھتے ہیں

فراق

اُٹھنے کی نہیں دیکھئے شمشیر نظر بھی
پہلے ہی لچکتی ہے کلائی بھی کمر بھی

بیخود دہلوی

یہ پتلی اُنگلیاں نازک کلائی
بندھے گی قتلِ دشمن پر کمر کیا

بیخود

قتلِ عشاق پہ لو اور اٹھاؤ خنجر
جھک گئی بارِ نزاکت سے کمر دیکھ لیا

بیخود

نزاکت ہے یہ انکی یا لطافت ہے تصور کی
انہیں میں برگِ گل پہ بھی خراماں دیکھ لیتا ہوں

سیماب

کیا ایک ہی ڈورے میں بندھی انکی نزاکت
جب ہلتی ہے گردن تو لچکتی ہے کمر بھی

داغ

شب وعدہ مدد کر اے نزاکت
قسم ٹوٹے نہ میرے نازنیں سے

نامعلوم

اللہ رے نازکی کہ جوابِ سلام میں
ہاتھ اس کا اٹھ کے رہ گیا مہندی کے بوجھ سے

نامعلوم

نہ بنے کام تو کس کام کی نازک شکلیں
نازک اچھے نہ حسینوں کی نزاکت اچھی

ریاض

کیا کوئی چھیڑے انہیں اور کیا لگائے کوئی ہاتھ
ناک کے پکڑے سے جن کی پھوٹتی نکسیر ہو
خندہ

دُنیا میں کسی نے بھی یہ دیکھی ہے نزاکت
اُن سے نہ کبھی حرف میرے نام کے اُٹھے
بیخود

کیا نزاکت کی شکایت ہے غنیمت جانو!
ہم نے لپٹا کے گلے وقتِ سحر چھوڑ دیا
داغ

نازِ گُل کو ہے نزاکت پہ چمن میں اے ذوقؔ
اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے
ذوق

یُوں نزاکت سے گراں ہے سُرمہ چشمِ یار کو،
جس طرح ہو رات بھاری مردمِ بیمار کو،
ناسخ

اُس پری کو پر نہ بخشے حق نے نازک جان کر
بوجھ کاندھے پر اُٹھانا کام ہے مزدور کا
شہیدی

کوٹھے سے نزاکت تو اترنے نہیں دیتی
تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اتر آئے

نامعلوم

عکس بھی آئینے میں چار گھڑی بعد آیا
بڑھ گئی حد سے سوا ان کی نزاکت کیسی

داغ

نزاکت آئینے تک ان کو جانے ہی نہیں دیتی
یہی نقشہ ہے تو بس کھنچ چکی تصویر رہنے دو

بیخود

کیا کر اٹھائیں رنگِ حنا کے وہ بار کو
نازک زیادہ گل سے ہیں اس گلبدن کے پاؤں

رخشاں

کہیں کمر اُس کی بل نہ کھائے یہ بوجھ اُس نے کہاں اُٹھائے
کہ سر پہ زلفوں کا بار بھی ہے گلے میں پھولوں کا ہار بھی ہے

خاک

برنگِ بوئے گل عریاں بسر کی باغِ عالم میں
سبک روی سے بار اٹھا نہ ہم سے اپنے داماں کا

تسلیم لکھنوی

صورتِ شعلہ ہوں میں نازک مزاج
بار اُٹھ سکتا نہیں پوشاک کا

تسلیمؔ لکھنوی

دامن تلک گیا تھا کہیں اس کے دستِ وہم
اللہ رے نازکی، وہیں چھل کے رہ گئی

فراقؔ

بچھا دے اُن کو میری بے قرار باہوں پر
کہ بارِ زلف سے تھک جائیں گے تیرے شانے

احمد ندیمؔ قاسمی

چہرے سے جو اُن کے غنچہ و گُل بازی نزاکت ہارے ہیں
کان آ کے صبا نے گہرائیے پتوں نے طمانچے مارے ہیں

آرزو

نگڑائی

اپنے مرکز کی طرف مائلِ پرواز تھا حسن !
بھولتا ہی نہیں عالم تیری انگڑائی کا !

کون انگڑائی لے رہا ہے عدم
دو جہاں لڑکھڑائے جاتے ہیں
عدمؔ

بصد حجاب چمن میں وہ تیری انگڑائی
یہ رنگ دیکھ کے غنچوں کا مسکرا دینا
فراقؔ

انگڑائی وہ لے کے اٹھ رہا ہے
ہستی کا خمار ٹوٹتا ہے
فراقؔ

وہ کلی چٹکی وہ برسا رنگ وہ چھوٹی کرن
ہنس کے وہ انگڑائی لی دریا نے بہنے کیلئے
غالبؔ

انگڑائی لگاوٹ سے لیکر آنکھوں کو یہ کس نے گردش دی
کلیوں کو ٹھنڈے آتے پسینے رنگ اڑا ایمانوں کا
جوشؔ

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دئے مسکرا کے ہاتھ
نظام رامپوری

انگڑائی جو آئی تو کچھ اس انداز سے دیکھا
آنکھوں نے کیا شکر تمنا نے دعا دی
جوشؔ

چاندنی بن کے تیری انگڑائی
سارے عالم پہ چھائی جاتی ہے
رُسواؔ

لی ہے خود صبح نے انگڑائی خمار آلودہ
رات وہ دَور سے ساغرِ سرشار چلے
فراقؔ

جب کبھی انگڑائی لیتا ہے ترا کافر شباب
جگمگا اُٹھتا ہے کیفِ بیخودی کا آفتاب
شاطرؔ

ترے وجود سے انگڑائی لے کے نکلے گا
وہ میکدہ جو ابھی بوتلوں میں بند نہیں
عدمؔ

خواب سے جاگا ہے وہ مستِ شباب
ہر نظر لینے لگی انگڑائیاں
عدمؔ

لے کے جب ناز سے انگڑائی وہ بستر سے اُٹھا
فتنۂ صبح قیامت بھی برابر سے اُٹھا
فراقؔ

انگڑائی لیتی ہے جوانی !
یا ہے چھلکتی پگھلی آگ !
فراقؔ

وہ ہر آن انگڑائی آئی ہوئی سی !
وہ ہر وقت کچھ جسم میں کسمساہٹ
فراقؔ

چلا وہ لے کے جب انگڑائی دل نے کروٹ لی
کسی کے ساتھ ہی رخصت میرا شباب ہوا
بیخود

انگڑائی لینے میں جو پڑی اوس پر نگاہ !
کہتے ہیں اپنے عکس سے وہ دیکھنا شباب
بیخود

رفعتوں کی ہیں فضاؤں میں بہت گنجائشیں
اِک نئی انگڑائی لے کر آسماں ہو جائیے
سیمابؔ

چھُو گئے ہاتھ انہیں شاید تیری انگڑائی میں
آج تاروں سے بھی خوشبُوئے حنا آتی ہے

شیر افضل جعفری

ایک انگڑائی جو لی دشت و جبل تھرّا گئے،
پردے پردے میں مذاقِ حسُنِ نہاں دیکھئے

سیماب

یہ کس کافر نے لی انگڑائیاں صحنِ گلستاں میں
قیامت چھپتی پھرتی ہے گلو نکے چاک داماں میں

سیماب

غافل کششِ حسُن سے بچنا بیسُود
کھنچتے آتے ہیں بزمِ امکاں کے حدُود

عدؔم

چٹکی میں ہی کی ہے دامانِ عدؔم
انگڑائی کے ہاتھوں میں گریبانِ وجُود

عدؔم

کر گئی کام مگر نام کو انگڑائی ہے
ہائے کس بھیس میں کمبخت قضا آئی ہے

اقدس قریشی

اُبھر کر کچھ چلا اُوپر کو عالم
کوئی انگڑائیاں لیتا اُٹھا ہے
فراقؔ

انگڑائیوں کا زور ہے دُکھتا ہے بند بند
ساقی وبالِ جاں ہوئے صدمے خمار کے
ملک عبدالحمید

ہالے کی شکل گردِ رُخِ مہ وش ہوئی
انگڑائی لی جو یار نے دونوں ملا کے ہاتھ
تونگرؔ

دریائے حسن اور بھی دو ہاتھ چڑھ گیا
انگڑائی اس نے نشہ میں لی جب اُٹھا کر ہاتھ
ناسخؔ

دیر تک اس شہر میں دیکھا ہلال
یہ کسی کافر کی انگڑائی نہ ہو
سائلؔ دہلوی

جہاں جاگے وُہیں انگڑائیاں لو
یہاں پھیلائی ہے سُستی کہاں کی
مشتاقؔ دہلوی

صد شکر ہم سے آج وہ رشکِ قمر کھُلا!
انگڑائی لی تو سمجھے کہ مقصد کا در کھُلا!
امیر مینائی

انگڑائی لے کے اپنا مجھ پر خمار ڈالا
کافر کی اس ادا نے بس مجھ کو مار ڈالا
رضوی امروہوی

ڈول رہے ہیں چاند ستارے
کوئی اُٹھا انگڑائی لے کر
ساغر صدیقی

دبے فتنے قیامت بن کے اُٹھتے ہیں قیامت سے
وہ جب انگڑائیاں لے لے کے سینہ تان لیتے ہیں
راسخ دہلوی

الٰہی کیا علاقہ ہے وہ جب لیتا ہے انگڑائی
میرے سینے میں سب زخموں کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں
جرأت

عبث انگڑائیاں لے لے کے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو گھر ہے سو رہو گر نیند آئی ہے
جرأت

جب بھی لیتا ہے کوئی انگڑائی
مطربوں کی صدائیں آتی ہیں

عدمؔ

ہے آرزوؔ آنکھوں کا خمار اور طرح کا
انگڑائیاں کہتی ہیں ابھی سو کے اُٹھے ہیں

آرزوؔ لکھنوی

سحر کا اُس طرف انگڑائی لینا دلفریبی سے
ادھر شاعر کے محسوسات کا بیدار ہو جانا

جوشؔ

اُف وُہ اُن کی نیم خوابی کا سماں
لے رہی ہو جیسے انگڑائی بہار

اخترؔ شیرانی

مخمورِ خواب بسترِ گُل سے اُٹھے ہیں وُہ
انگڑائی لی ہے باغ میں صبحِ بہار نے

اخترؔ شیرانی

عین سرمستی میں اے ساقی اگر انگڑائی لیں
عرش پر رکھ دیں اُٹھا کر ساغر و پیمانہ ہم

ساغرؔ نظامی

انگڑائی کی اوٹ میں جانے پوشیدہ ہیں کتنے بہانے
مُفت میں اُٹھے ہو دُنیا کو اَوجِ ثریّا سے ٹکرانے

ندیم

میرے آنسو تیرے دامن کو ترستے ہی رہے
تارے گردوں سے اُتارے تیری انگڑائی نے

ندیم

لیتے ہوئے اُٹھے جو وہ انگڑائی بزم میں
دُنیا ہماری زیر و زبر ہو کے رہ گئی

پیامی نقوی

کون یہ لے رہا ہے انگڑائی
آسمانوں کو نیند آتی ہے

فراق

اُن کی انگڑائی کا ہیجان تو دیکھے کوئی!
پردے پردے میں اُڑے جاتے ہیں عریاں ہو کر

عدم

ایسے لیتے ہیں وہ انگڑائی غزلخواں ہو کر
جیسے اندیشۂ خلّاق جواں ہوتا ہے

عدم

اُڑان جو تیری انگڑائی میں ہے مستی کی
یہ حُسن شیوۂ پرواز کس کو ملتا ہے

عدمؔ

جسم بلّور سا نازک ہے جوانی بھرپُور
اب کے انگڑائی نہ ٹوٹی تو بدن ٹوُٹے گا

احمد فرازؔ

ذرا انگڑائی لو اور بُت کدے تعمیر کر ڈالو
خطوطِ جسم سے تاریخِ گُل تحریر کر ڈالو

عدمؔ

کچھ اور کھُل رہی ہیں حدیں کائنات کی
انگڑائی لے رہے ہیں وہ اس اہتمام سے

عدمؔ

پیام و سلام

بھیجے ہیں روز حسن و محبت کے کچھ پیام
ہوتی ہے ماسوا بھی اشاروں میں گفتگو

پلا نہ اتنی کہ راستے میں میری قناعت پہ حرف آئے
یہ میری پہلی خطا ہے ساقی مجھے کوئی نرم سی سزا دے

عدمؔ

کبھی خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

شیشۂ مے کی طرح اے ساقی
چھیڑو مت کہ بھرے بیٹھے ہیں

مصحفیؔ

دیوانوں سے کہہ دو کہ چلی بادِ بہاری
کیا اب کے برس چاک گریباں نہ کرینگے

رندؔ

خراب اور نہ کر اب خراب حالوں کا
ہماری خاک سے دامن ذرا بچائے ہوئے

فراقؔ

کسی کی تابشِ رخسار کا کہو قصّہ
کسی کے گیسوئے عنبر فشاں کی بات کرو

سالکؔ

سنبھل کر اے نگہِ شوق بزمِ دوست ہے یہ
یہاں خراب نظر آزمائے جاتے ہیں

ساغر نظامی

خزاں میں آگ لگاؤ بہار کے دن ہیں
نئے شگوفے کھلاؤ بہار کے دن ہیں
مِلا کے قطرۂ شبنم میں رنگ و نکہتِ گُل
کوئی شراب بناؤ بہار کے دن ہیں
جنونِ شوق کی ہے بے اعتدالیوں کے خلاف
کوئی دلیل نہ لاؤ بہار کے دن ہیں

اختر انصاری

اے موجِ بلا اِن کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارا کرتے ہیں

جذبی

پانی میں ڈوب آگ میں جل کر مر و پن ایک
عاشق نہ ہو پکار کے کہتا ہوں سب سے

ابرو

کیا گزرتی ہے کسی کے دل پر
تو بھی اے جانِ وفا غور سے سُن
عشق کو حسن سے خالی نہ سمجھ
نالۂ اہلِ وفا غور سے سُن

ناصرؔ کاظمی

دوستی سہل نہیں اُس بُتِ بدخُو سے نسیمؔ
ضد نہ کر دیکھ میری جان بڑی مشکل ہے

نسیمؔ دہلوی

جو بھڑک اُٹھے یہ شعلے تو مجھے بھی پھونک دینگے
میرا قصّۂ محبت نہ سُنو میری زبانی

شکیل

دیکھنا چاہو اگر تم اپنی معراجِ ستم
مسکرا دینا میری بربادیٔ دل دیکھ کر

شکیلؔ

حُسن کی بارگاہ میں رکھیئے سنبھالکر قدم
یہ وُہ مقام ہے جہاں خواہشِ دل حرام ہے

جگرؔ

سامنے سب کے مناسب نہیں ہم پر یہ عتاب
سر سے ڈھل جائے نہ غصے میں دوپٹہ دیکھو!

حسرت موہانی

خوبرو ہیں آپ مانا ہم نے پھر بھی اسقدر
دیکھئے اچھی نہیں ہے خود ستائی آپ کی

آؤ سو جائیں خزاں آنے سے پہلے ایک رات
کون دیکھے گا بہاروں کا پریشاں ہونا

عدم

روک لے اے ضبط جو آنسو کہ چشم تر میں ہے!
کچھ نہیں بگڑا ہے اب تک گھر کی دولت گھر میں ہے

امن ملہردی

ہے دوستوں کا غم بھی متاعِ عزیز تر
لے لو جہاں سے بھی تمہیں یہ جسقدر ملے

عارف بٹالوی

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایکدن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایکدن

غالب

مناسب ہو اگر تو سازِ شادی روک کر دم بھر
ذرا رُوداد سُن لیجے میرے حالِ پریشاں کی
جوشؔ

نہ لو انگڑائیاں اسطرح اُٹھ کر خوابِ نوشیں سے
کہیں کروٹ نہ لے دینا میرے جذباتِ نہاں کی
جوشؔ

دیکھ اے جفا شعار نہ کر اس قدر ستم
کوئی غریب جان سے بیزار ہو نہ جائے
جوشؔ

تیرے نثارِ محبت میری گناہ سہی
پر اس گناہ کا تھوڑا سا احترام تو کر
عدمؔ

شمع سحر کو سو جانے دو
رات گزاری جلتے جلتے
عدمؔ

اس چاندسی جبیں پر عبادت کا تلخ بوجھ
ظالم خیال کر ابھی عہدِ شباب ہے
عدمؔ

مبادا بات بڑھ کر باعثِ تکلیف ہو جائے
وہیں پر ختم کر دیجے جہاں تک بات پہنچی ہے
عدمؔ

زخم پہ زخم کھا کے جی اپنے لہو کے گھونٹ پی
آہ نہ کر لبوں کو سی عشق ہے دل لگی نہیں،
احسانؔ دانش

کچھ کہہ رہی ہیں آپ کے سینے کی دھڑکنیں
میرا نہیں تو دل کا کہا مان جائیے

ہو نہ اتنا بھی پریشاں کوئی
کہ زمانے کو خبر ہو جائے
جرأتؔ

کہو دیارِ محبت کے رہنے والوں سے
ہزار فتنے اُٹھاؤ اُس آنکھ کو نہ جگاؤ!
فراقؔ

اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر
کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ رخسارِ دوست
غالبؔ

بربطِ ذرا سنبھال بہار آ ہی جائے گی
ساغر میں رنگ ڈال بہار آ ہی جائے گی
عدمؔ

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھُلایا نہ جائے گا
میرؔ

طُوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں
شیفتہؔ

ہر شخص سے اِس طرح ہنس کر کلام کر
میرا نہیں تو اپنا ہی کچھ احترام کر
عدمؔ

پھر نہ کیجے میری گُستاخ نگاہی کا گِلہ
دیکھیئے آپ نے پھر پیار سے دیکھا مجھ کو
ساحرؔ

شبِ وصل کی بے خُودی چھا رہی ہے
کہو تو ستاروں کی شمعیں بجھا دیں
اخترؔ شیرانی

اِلتجائیں

آؤ مِل جاؤ مُسکرا کے گلے !

ہو چُکا جو عِتاب ہونا تھا!

سُنا مغنّی مجھے وہ نغمہ کہ جھوم جائے شباب تیرا
اگر ذرا بھی کیا تکلف تو چھین لوں گا رُباب تیرا
ساغر نظامی

میخوارِ محبّت ہوں مجھے جام سے کیا کام
اپنے لبِ گُل رنگ کو پیمانہ بنا دے
ساغر نظامی

کھولو ذرا نقاب کہ دیکھیں تمہارا حُسن
کتنے حسین ہو کہ خدا بن گئے ہو تم
عارف بٹالوی

اُلٹ دے اپنی نقاب بزمِ عدُو میں میرا وقار رکھ لے
یہ ہنس رہے ہیں میرے جنوں پر انہیں بھی خانہ خراب کر دے
عارف بٹالوی

شراب خانہ اُلٹ دو مجھ پہ کہ جل نہ جائے میری جوانی
پیاس سے سینہ پھُک رہا ہے جگر کو تکلیف ہو رہی ہے
عارف بٹالوی

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا دے جہاں پر خدا نہ ہو
ساغر نظامی

نکال پردۂ مینا سے دخترِ رز کو
گھٹائیں کس لئے یہ ماہتاب ہے ساقی

اختر شیرانی

پڑی ہے عمر بہت زہرِ درد پینے کو
شراب دے ابھی فصلِ شباب ہے ساقی

اختر شیرانی

کوئی افسانہ چھیڑ تنہائی
رات کٹتی نہیں جُدائی کی

فراق

میری بزمِ وفا سے جانے والو
ٹھہر جاؤ کہ میں بھی آ رہا ہوں

حفیظ جالندھری

میں ناکامِ محبّت ہوں میری وحشت مجھے دیدے
تمنّائیں میری صرفِ گریباں ہوتی جاتی ہیں

شوکت رضوی

رات بھر ہم کو جھوم لینے دو!
صبح نشّے اُتر ہی جائیں گے

عدم

بھر جائیں اِک آخری جام پی لوں
بہاروں کو حکمِ خزاں دینے والے

عدمؔ

اشکوں میں رہنے والے آنکھوں کے سامنے آ
اے رازِ دل سراپا افشائے راز ہو جا

جوشؔ

اے دل نہ سُنا عہدِ طرب کی باتیں
رنگین فسانہ ہائے شب کی باتیں

بکھری ہوئی زلف سانس ہلکی ہلکی،
اے خانہ خراب ہیں یہ کب کی باتیں

اثرؔ لکھنوی

وہ ملے بھی تو اِک جھجک سی رہی
کاش تھوڑی سی ہم پیئے ہوتے

عدمؔ

میری ناکام محبّت کا فسانہ مت چھیڑ
اپنی مایوس اُمنگوں کی کہانی نہ سُنا

ساحرؔ لدھیانوی

میرے ماضی کو اندھیرے میں دبا رہنے دے
میرا ماضی میری ذلّت کے سوا کچھ بھی نہیں،

ساحر لدھیانوی

موسمِ گل ہے اپنی باہوں کو!
میری باہوں میں ڈال کر چلئے

عدمؔ

دل نہ توڑو حسرتِ ناکام کا
زلف تو پھر بھی بنا لی جائیگی

حسرتؔ موہانی

تڑپ کے رُوح نکل جائے گی ابھی صیّاد
سُنا قفس میں نہ کیفیتِ بہار مجھے

جگرؔ

محبّت اور جوانی کے تذکرے نہ کرو
کسی ستائے ہوئے کو بہت ستاؤ نہیں

نہ چھیڑ اُن کے تصوّر میں اے بہار مجھے
کہ بُوئے گُل بھی ہے اِس وقت ناگوار مجھے

جگرؔ

اے بادِ سحر نہ چھیڑ، ہم کو!
ہم جاگے ہوئے ہیں رات بھر کے

باقیؔ صدیقی

خدا کرے کہ مجھے فرصتِ نظر نہ ملے
وہ حال ہے کہ زمانے کی آنکھ بھر آئے

عدمؔ

اب تو کعبے میں روشنی کر دو!
اب تو کوئے بُتاں سے لوٹ آئے

احسانؔ دانش

تھکی تھکی سی فضائیں بجھے بجھے تارے
بڑی اُداس گھڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
نہیں اُمید کہ ہم آج کی سحر دیکھیں،
تمام رات پڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ
پھر اس کے بعد کبھی ہم نہ تم کو روکیں گے
لبوں پہ سانس اَڑی ہے ذرا ٹھہر جاؤ

سیفؔ

اے موج کم از کم لاش کو ہی دریا کے کنارے پہنچا دے
اک ڈوبنے والے کی حسرت ساحل کے سوا کچھ اور نہ تھی

عارف بٹالوی

غروب ہوتے چراغو! ذرا ٹھہر جاؤ
یہ اِک امّید جو دم توڑ لے تو مَیں بھی چلوں

شہرت بخاری

اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

شیفتہ

بچا ہے جو ساغر میں کیوں پھینکتے ہو
ہمیں دے دو ہم پی لیں جھوٹا تمہارا

آغا حشر

جانا جانا جلدی کیا ہے اِن باتوں کو جانے دو
ٹھہرو ٹھہرو دل تو ٹھہرے مجھ کو ہوش تو آنے دو

صفی لکھنوی

تم نہ دیکھو کہ میرے چہرے پر
اِک تمنّا سی پائی جاتی ہے

جوش

مزاجِ خاکساری میں نزاکت ہے قیامت کی
نہ لے جاؤ مجھے مغرور انسانوں کی محفل میں
جوش

بڑے عذاب میں ہے جانِ میکشاں ساقی
نہیں شراب تو ذکرِ شراب رہنے دے
حسرت موہانی

میرا تو کچھ بھی نہیں ہے میں رو کے جی لونگا
مگر خدا کے لئے تم اسیرِ غم نہ رہو
ساحر لدھیانوی

ابھی نہ چھیڑ محبت کے گیت اے مُطرب
ابھی حیات کا ماحول خوشگوار نہیں
ساحر

ساقی تجھے اِک تھوڑی سی تکلیف تو ہوگی
ساغر کو ذرا تھام میں کچھ سوچ رہا ہوں
عدم

اے دوست اِک غریب سے اتنا خفا نہ ہو
شاید تو بلائے تو یہ بے نوا نہ ہو
عدم

۳۰۲

حسرتیں

اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو
ایسا کیا کسی نے پشیمانِ آرزو

جی چاہتا ہے آج عدمؔ ان کو چھیڑیئے
ڈر ڈر کے پیار کرنے میں کوئی مزا نہیں
عدمؔ

اے کاش میں اس شب مر جاتا جب اُس نے کہا تھا ڈر ڈر کر
یہ زہر کا ساغر تم نہ پیو، لاؤ تو ادھر میں پی جاؤں
عدمؔ

وہ ملے بھی تو اِک جھجک سی رہی
کاش تھوڑی سی ہم پیئے ہوتے
عدمؔ

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
غالبؔ

بیوفاؤں سے جی میں ہے تاباںؔ !
اور سب کچھ کروں وفا نہ کروں !
تاباںؔ

کبھی تو کام یارب جذبۂ احساس آ جائے
وہ ظالم خود بخود گھبرا کے میرے پاس آ جائے
شکیلؔ

نہ ہو یا رب کبھی تکمیل میرے اس ارادے کی
کہ اب ترکِ محبت کا ارادہ کر رہا ہوں
شکیلؔ

مرضئ یار کے خلاف نہ ہو
لوگ میرے لئے دُعا نہ کریں
حسرتؔ موہانی

اپنی ہی لطافتِ نظر کی
اس رُخ پہ نقاب چاہتا ہوں
شکیلؔ

حالت دلِ مایوس کی دیکھی نہیں جاتی
اللہ کرے جلد شبِ غم کی سحر ہو
جگرؔ

اِک وہ ہیں رات رات میسّر ہے گفتگو
اِک میں ہوں آرزو ہے نظر سے نظر ملے
عارفؔ بٹالوی

تمام رُوح کی لذت اسی میں تھی موقوف
کہ زندگی میں کبھی تم سے گفتگو ہوتی
عزیزؔ لکھنوی

بہت دیر طوفاں کی موجوں سے کھیلا!
بس اب ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے

بہزاد لکھنوی

باہم شب وصال اُٹھائے ہیں کیا مزے
وُہ بھی یہ کہہ رہے ہیں الٰہی سحر نہ ہو

وُہ صبح کو آئے تو کروں باتیں میں دوپہر
اور چاہوں کہ دن تھوڑا سا ڈھل جائے تو اچھا
ڈھل جائے جو دن بھی تو اِسی طرح کروں شام
اور پھر کہوں گر آج سے کل جائے تو اچھا
جب کل ہو تو پھر وہی کہوں کل کی طرح سحر
گر آج کا دن بھی یونہی ٹل جائے تو اچھا
القصہ نہیں چاہتا میں جائے یہاں سے
دل اس کا یہیں گرچہ بہل جائے تو اچھا

ذوق

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تیری زلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزرنے پاتی تو شاداب ہو بھی سکتی تھی
یہ تیرگی جو میری زیست کا مقدر ہے
تیری نظر کی شعاؤں میں کھو بھی سکتی تھی

ساحر

اے میری جاگتی ہوئی راتوں کی آرزو
اک روز اتفاق سے آ میرے سامنے

عدم

اب یہ عالم ہے کہ ہر ذرہ ہے سرگرم سخن
کاش تو بھی لب رنگیں سے اشارہ کر دے

جوش

یہ سن کر ہم نے میخانے میں اپنا نام لکھوایا
جو میکش لڑکھڑاتا ہے وہ بازو تھام لیتے ہیں

جوش

چاندنی رات ہے سمندر ہے
کاش اس وقت آپ بھی ہوتے

جوش

حسرتیں

بہت خجل ہے ترے درد سے دعا میری
یہ خوف ہے کہ نہ سُن لے کہیں خدا میری

حسرت موہانی

مل جا گلے سے تاب اب اے نازنیں نہیں
ہے ہے خدا کے واسطے مت کر نہیں نہیں

جرأت

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

امیر مینائی

خالق بچائے زہرہ جبینوں کی چاہ سے
سُنتے ہیں دو اسیر ابھی تک اسیر ہیں

طاہر فرخ آبادی

کچھ ہم بھی تو حسرتیں نکالیں
آؤ تمہیں سینے سے لگا لیں

فراق

ہوتے ہی تذکرہ کوئی آجائے رُو برُو
کتنا بلند ذوقِ نظر چاہتا ہوں میں

شکیل

حسرتیں

تلاطم سے زور آزما کر تو دیکھوں
بلا سے اگر ڈوب جائے سفینہ

شکیلؔ

یارب غرورِ حسن کو رُسوا نہ کر سکوں
ہو تاب دید کی تو نظارا نہ کر سکوں

شکیلؔ

پھر برق سے مجھ کو نہ رہے کوئی شکایت
اک بار لگے آگ جو صیّاد کے گھر میں

جگرؔ

مر مٹے ہیں اس لئے کہ ہمیں
شاید وہ اپنا جان نثار کہیں

حسرتؔ موہانی

نمازوں سے بہتر ہیں دل کی خطائیں
دُعا کیجئے یہ دِیئے بجھ نہ جائیں

عدمؔ

اک شعلہ تابناک ہے ہر وقت رُوح میں
اے کاش آرزو کا کبھی خاتمہ نہ ہو

ساغرؔ نظامی

دل کو خوشی یہ ہے کہ لڑے آنکھ یار سے
اس پر نظر نہیں کہ وہ جادو نظر بھی ہے

جلیل مانکپوری

مطرب سے کہو آج اس انداز سے گائے
ہر دل کو لگے چوٹ سی ہر آنکھ بھر آئے

فراقؔ

فصلِ چمن گذر گئی حسرتِ انتظار میں
غنچے مہک گئے مگر دل نہ کھلا بہار میں

عارف بٹالوی

کیا جانے کس خیال میں گم تھا اسیرِ نو
اپنے پروں کو خواب میں پھیلا کے رہ گیا

ندیمؔ

کس وقت بہرِ پرسشِ بیمار آئے وہ
جب آنکھ سے بھی اپنی اشارہ نہ ہو سکا

نورِ جہاں نازؔ

کسی دیوانے کی تربت کا غبارِ گستاخ
تھام لے دامنِ سلطاں تو مزا آ جائے

عابد علی عابدؔ

نہ تیری زلف کے سائے نہ تیری آنکھ کی مے
ہائے کیا بے سروسامان چلے آتے ہیں

شوکت واسطی

ہوئے مر کے ہم جو رُسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

غالب

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

غالب

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

غالب

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہم کو حریصِ لذّتِ آزار دیکھ کر

غالب

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے
خوب وقت آئے تم اِس عاشقِ بیمار کے پاس

غالب

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک
کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
غالبؔ

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
غالبؔ

سُنتے ہیں جو بہشت کی تعریف درست
لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو
غالبؔ

ڈھونڈے ہے اُس مغنیِ آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے
غالبؔ

قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو
کاش کہ تم میرے لئے ہوتے
غالبؔ

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے
غالبؔ

עוק

تأثرات

ہم نے پھولوں کو چھوا مرجھا کے کانٹے ہو گئے
تم نے کانٹوں پہ قدم رکھا گلستاں کر دیا

محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
نظر مِل گئی، دل دھڑکنے لگا
اکبر الہ آبادی

تیری چُپ چاپ نگاہوں کو سُلگتے پاکر
میری بیزار طبیعت کو پیار آ ہی گیا
ساحر لدھیانوی

دیکھا تو تھا یُونہی کسی غفلت شعار نے
دیوانہ کر دیا دلِ بے اختیار کو
ساحر

اُس رشکِ گُل کے جاتے ہی بس آ گئی خزاں
ہر گُل بھی ساتھ ہو کے چمن سے نِکل گیا
ناسخ

جب بھی کسی نے ہنس کے مسرّت سے بات کی
دل سے تمام عمر کے غم دُور ہو گئے
عدم

دلِ پُر خوں کی اِک گلابی سے
عمر بھر ہم رہے شرابی سے
میر

اے عشق تیرے صدقے یہ تاثیر ہے تیری
مڑ مڑ کے یوں وہ میری طرف دیکھتا چلے
سوزاںؔ

روئیے ہے بات بات پہ جرأت
ہے گرفتار یہ کہیں نہ کہیں
شیخ قلندر بخش جرأتؔ

کہتا ہے کون نالۂ بُلبُل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
غالبؔ

گریباں چاک ہے گُل بوستاں میں
اثر کتنا ہے کِتنا ہے بُلبل کی فغاں میں
مجروحؔ

کیا کہہ کے عندلیب چمن سے نکل گئی
کیا سُن لیا گلوں نے کہ رنگت بدل گئی
تسلیمؔ

یہ کون آیا بزمِ گُل و یاسمن میں
کہ شادابیاں جاگ اُٹھیں چمن میں
اختر شیرانیؔ

یہ کس نے نگاہِ بہاریں سے دیکھا
کہ پھولوں نے انگڑائی سی لی چمن میں

اختر شیرانی

یہ کس کے رنگِ رُخِ بہاریں نے بخشدی ہے طراوت گو
شگفتہ ہو نہ تھا گلستاں میں اس ادا سے گلاب پہلے

اختر شیرانی

صحنِ چمن میں ہر جگہ نشہ سا پھیلنے لگا
آج یہ کون ماہ لقا مستِ خرام ہے یہاں

اختر شیرانی

گلشن میں آگ لگ گئی میرے بیاں کے بعد
گل سینہ چاک ہو گئے میری فغاں کے بعد

عارف بٹالوی

جہاں تم نے قدم رکھا بنائے گلستاں رکھدی
کہ ہر اک نقش میں روحِ بہارِ جاوداں رکھدی

عارف بٹالوی

اتنا تو جذبِ عشق نے بارے اثر کیا
اس کو بھی اب ملال ہے میرے ملال کا

برق لکھنوی

بزم ساقی آ گئی ہے یاد کس مے نوش کی
جام چھلکا شیشۂ مے ہچکیاں لینے لگا
تسلیم

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں!
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں!
داغ

ہائے کن مایوسیوں سے کی نظر صیاد نے
میں تڑپ کر آشیاں سے زیرِ دام آہی گیا
عارف بٹالوی

ہو گیا زرد پڑی جس کی حسینوں پہ نظر
یہ عجب گل ہیں کہ تاثیرِ خزاں رکھتے ہیں
ناسخ

چھپتا ہے دل کا رنگ کہیں ضبطِ آہ سے
حسرت ٹپک رہی ہے ہماری نگاہ سے
امیر مینائی

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے
امیر مینائی

آئینہ چھوڑ کے دیکھا کئے صورت میری
دلِ مضطر نے میرے اُن کو سنورنے نہ دیا

عزیزؔ لکھنوی

دُور نظر سے خود بخود بندِ نقاب کھل گئے
حوصلہ چشمِ شوق کا ہم نے اُنہیں دکھا دیا

محشرؔ لکھنوی

جلیلؔ فصلِ بہاری کی دیکھئے تاثیر
گری جو بوند گھٹا سے شراب ہو کے رہی

جلیلؔ

اُدھر منہ تم نے پھیرا تھا اِدھر اپنی لُٹی دنیا
تمہارے دم قدم سے زندگی تھی زندگی اپنی

شوکتؔ رضوی

زلف تیری کیوں نہ کھائے پیچ و تاب
حال مجھ دل کا پریشاں دیکھ کر

محمد ولیؔ اللہ دکنی

ایسی ہوا چلی میری آہوں کی رات کو
سب آسماں پہ خرمنِ انجم بکھر گیا

صباؔ لکھنوی

تیری ہی نگاہوں کا تصرف تھا کہ ہم نے
رعنائیِ افکار کے اعجاز دکھائے

آل احمد سرورؔ

کوئی کس طرح رازِ اُلفت چھپائے
نگاہیں ملیں اور قدم ڈگمگائے

نخشب جارچوی

کیا اثر تھا جذبۂ خاموش میں
خود وہ کھچ کر آگئے آغوش میں

شکیلؔ بدایونی

ہم ترکِ ربط و ضبطِ محبت کے باوجود
سو بار کھنچ کے کوچۂ جاناں میں آگئے

شکیلؔ

قفس کے سامنے بجلی کچھ اسطرح چمکی
نظر میں پھر گئی تصویر آشیانے کی

جگرؔ

نگاہِ شوق کی جذب و اثر ارے توبہ
جس آئینہ پہ نظر کی تیرا جواب ہوا

جگرؔ

تاثرات

دل نے اِک نالہ کیا آج اِس طرح دیوانہ وار
بال بکھرائے کوئی مستانہ وار آہی گیا
جگر

بیساختہ آج اُن کے بھی آنسو نکل پڑے
دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا
جگر

ذرا سا اِک وقفۂ محبت اُٹھا گیا اور ہی قیامت
ابھی ہم آنسو بہا رہے تھے ابھی وہ آنسو بہا رہے ہیں
جگر

آج سُنکر میرے نالوں کو ز راہِ التفات!
زیرِ لب اُس نے بھی کھینچی ایک آہِ التفات
حسرت موہانی

ہو کے آگاہِ غمِ عشق میری حالت پر،
اب تو بھر لائے ہیں وہ شوخ بھی بارے آنسو
حسرت موہانی

خوشا یہ پندارِ عشق اپنا زہے شکستِ غرور اُن کی!
وہ ہم سے نظریں ملا رہے ہیں ہم اُن سے نظریں ہٹا رہے ہیں
جگر مرادآبادی

دلچسپ کس قدر تھا میرا قصۂ وفا
جب تک ہوا بیان وہ محوِ بیاں رہے

حسرتِ موہانی

یا حُسن ہوا مجبورِ کرم یا عشق نے منزل پالی ہے
وہ زلف بکھیرے آتے ہیں اک وحشی کے بہلانے کو

شوکت رضوی

کوئی آیا تیری جھلک دیکھی
کوئی بولا سُنی تیری آواز

جوشؔ

اللہ اللہ یہ اثر اے گریۂ بیمارِ دوست
صُورتِ دشمن سے پیدا ہو گئے آثارِ دوست

جوشؔ

بھرے آتے ہیں اُس ظالم کے آنسو
الٰہی کون سرگرمِ فغاں ہے

جوشؔ

یُونہی رسماً ہنس دیئے وہ دیکھ کر صورت میری
اور مجھ کو زندگی کا لُطف حاصل ہو گیا

جوشؔ

ناشاد

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے
دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

جوش

وُہ کچھ اِس طرح سے اُٹھے مجھے اسطرح سے دیکھا
میری آرزو سے کم تر، میری تاب سے زیادہ

تاثیر

رُوح کس مست کی پیاسی گئی میخانے سے
مے اُڑی جاتی ہے ساقی تیرے پیمانے سے

داغ

تیرے گلے کے ہار سے آئی وفا کی بُو
پھُولوں میں کوئی دل تو نہیں ہے گندھا ہُوا

بیخود دہلوی

الگ سب سے نظر نیچی خرام آہستہ آہستہ
وہ مجھ کو دفن کر کے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

اکبر الہ آبادی

نہ کیوں کر بُوئے خوں نامہ سے آئے
اُسی جلّاد کا لِکھا ہُوا ہے

اکبر

میری خاطر خود ہنسے مجھ کو ہنسا کر رو دیئے
چہرۂ بیمار سے چادر ہٹا کر رو دیئے

عارف بٹالوی

اُٹھتے اُٹھتے مَیں نے اس حسرت سے دیکھا کہ وہ نہیں
اپنی بزمِ ناز سے مجھ کو اُٹھا کر رو دیئے

عارف بٹالوی

سُن کے تاروں نے فسانہ میرا
رات آنکھوں میں گزاری ہو گی

اعجاز ساجد

چمن سے وہ تبسم ریز ادائیں ساتھ لاتے ہیں
کھلی کلیوں کا عالم ہے میرے گھر سے گلستاں تک

ساغر نظامی

سحر ہے پُر نور رات روشن حیات روشن ممات روشن
اثر سے کائنات روشن وہ اس طرح مسکرا رہے ہیں

ساغر نظامی

تعلّقاتِ محبّت یہ تیری ذات سے ہیں
کسی نے نام لیا ہے تڑپ گیا ہوں میں

ساغر نظامی

یہ کون دُور سے دامن کشاں گزرنے لگا
چراغ لَو کو ہوا کے سُپرد کرنے لگا

ندیم قاسمی

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

صبا لکھنوی

ملتی ہے اس کی وضع زبس غمزۂ یار میں
آئے نہ کیوں مزا ستمِ روزگار میں

مجروح

نگہ کا وار تھا دل پر پھڑکنے جان لگی
چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

ذوق

اُٹھ گیا انجمنِ ناز سے گھبرا کے کوئی
دردِ دل اپنا مجھے ختم بھی کرنے نہ دیا

عزیز لکھنوی

کام آخر جذبۂ بے اختیار آہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا اُن کو پیار آہی گیا

جگر مرادآبادی

ہنستے ہنستے رو دیا کرتے تھے سب بے اختیار
اِک نئی ترکیب کا درد اپنے افسانے میں تھا
شادؔ عظیم آبادی

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے
حفیظؔ ہوشیارپوری

کیا جانیے کیا سُن کے چلا آیا ہے کوئی
اس طرح کہ آنچل بھی سرِ دوش نہیں ہے
شکیلؔ بدایونی

یاد آئے آج اپنی اسیری کے رات دن
اک بے گناہ کے پاؤں میں زنجیر دیکھ کر
عارفؔ بٹالوی

گرچہ مدّت سے نہیں سامنے وہ آئینہ رُو
میرے دل پر وہی حیرت کا سماں ہے کہ جو تھا
عابد علی عابدؔ

بے نیازانہ برابر سے گزرنے والے
تیز کچھ قلب کی رفتار ہوئی تھی کہ نہیں
عندلیبؔ شادانی

کچھ دل کی دھڑکنوں میں اضافہ سا ہو گیا
جب بھی نظر ملائی تمہاری نظر کے ساتھ

عمرانؔ میرٹھی

جس جائے سراپا پہ نظر جائیے ہے اس کی
آتا ہے یہی جی میں یہیں عمر بسر کر

میرؔ تقی

اندھیرے منہ ادھر بیمارِ شامِ غم کا مر جانا
اُدھر وہ خود بخود رُخ پر تیری زلفیں بکھر جانا

عزیزؔ

حُسن کے رازِ نہاں شرحِ بیاں تک پہنچے
آنکھ سے دل میں گئے دل سے زباں تک پہنچے

پروفیسر محمد دین تاثیرؔ

حالِ دل سُن کے وہ آزردہ ہیں شاید اُن کو
اس حکایت پہ شکایت کا گماں گزرا ہے

سالکؔ

دلِ سُلگتا نہ ہو بہاروں کا
اشکِ شبنم سے لَو نکلتی ہے

احسانؔ دانش

حسن نے اپنی جفاؤں پہ بہائے آنسو
عشق کو اپنی شکایات پہ رونا آیا

جبینیں خود بخود ہی جھک رہی ہیں
یقیناً" تیرا سنگِ آستاں ہے

کسی مریضِ محبت پہ رات بھاری ہے
تڑپ رہے ہیں ستارے یہ کوئی بات تو ہے

ہوتی ہے میرے غم کو کیا کیا ندامت
تیری چشمِ میگوں میں آنسو جب آئے

کہیں سحر کا اُجالا ہوا ہے ہم نفسو
کہ موج برق سر شاخسار گذری ہے

صبا اٹھکھیلیاں کرتی ہے غنچے مسکرائے ہیں
بہار آئی ہے گلشن میں کہ وہ تشریف لائے ہیں

جہاں پاؤں ڈگمگائے جہاں تھک کے گر پڑے ہم
وُہی آرزو کی منزل وہی شوق کا ٹھکانہ

ربیعہ خاتون رزمی

کچھ کہہ سکے نہ اُس بُتِ خود سر کے سامنے
پتھر کے ہم بھی ہو گئے پتھر کے سامنے

کلیمؔ جلیسری

وُہیں سے لوٹ گئیں گردشیں زمانے کی
جما لیے جہاں دیوانگی نے اپنے قدم

نظمؔ اکبر آبادی

قفس کی تیلیوں میں آج شعلے سے لرزتے ہیں
کہیں جلتا نہ ہو دیکھو چمن میں آشیاں میرا

کاوشؔ دہلوی

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں!
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

غالبؔ

جمالِ یار خود محمل کے پردے چاک کر دے گا
نگاہِ آرزو میں آ گیا جب ذوقِ مشتاقی

عارفؔ بٹالوی

شبِ فراق

ایک شب عرش پہ محبُوب کو بُلوا ہی لیا!
ہجر وُہ غم ہے خدا سے بھی اُٹھایا نہ گیا!

فراق

ایک وہ رات تھی کہ جب تھا میرے گھر وہ ماہتاب
ایک یہ رات ہے کہ اب چاند ہے چاندنی نہیں
احسان دانش

نہ جام ہے نہ ستارے نہ کوئی دوست عدمؔ
شبِ فراق کو میں کس طرح گزاروں گا
عدمؔ

دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالبؔ
دل رُک کے بند ہو گیا ہے غالبؔ
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالبؔ
غالبؔ

ویراں ہے میکدہ خُم و ساغر اُداس ہیں
تم کیا گئے کہ رُوٹھ گئے دن بہار کے
فیضؔ

فصلِ گل دُھوم سے آئی ہے پہ اے رشکِ بہار
اِک ترے پاس نہ ہونے سے خزاں ٹھہری ہے
حسرتؔ موہانی

اب کی ہزار رنگ گلستاں میں آئے گُل
پر اُس بغیر اپنے تو جی کو نہ بھائے گُل
میر

غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا
غالب

بدلا ہوا تھا رنگ گلوں کا تیرے بغیر
کچھ خاک سی اُڑی ہوئی سارے چمن میں تھی
فانی

گُل ہیں پژمُردہ تو غنچہ بھی گرفتہ دل ہے
جاتے ہی یار کے رونق گئی گلزاروں کی
رند

تُو گیا اور ہم تیری صُورت کو تکتے رہ گئے
غمزدے روتے تڑپتے سر پٹکتے رہ گئے
جرأت

وہی یہ پھُول ہیں جن کو ابھی دیکھا تھا گلشن میں
مگر کچھ اور ہی سے ہو گئے گلچیں کے دامن میں
محشر لکھنوی

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وُہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
نظیرؔ

تیرے وجُود سے وابستہ ہے میرا احساس
اب ایک تُو جو نہیں انجمن نہیں باقی
ندیمؔ

اس وقت کی اُداسی ہے دیکھنے کے قابل
جب کوئی رو رہا ہو افسردہ چاندنی میں
ساغرؔ نظامی

تمہارے بعد خدا جانے کیا ہوا دل کو
کسی سے ربط بڑھانے کا حوصلہ نہ ہوا
سیفؔ

یاد میری آگئی مُنہ پھیر کر رونے لگے
انجمن میں اُن کی جب ذکرِ وفا ہونے لگا
تسلیمؔ لکھنوی

میرے غم کی تلخیوں کا اس سے کچھ اندازہ کر
مجھ کو مے نوشی سے بھی انکار ہے تیرے بغیر
ذوالفقار بخاری

دیدار کی اُمید میں بے تاب ہیں آنکھیں
بے نُور ہیں بے رنگ ہیں بے آب ہیں آنکھیں

تاروں کی طرح رات کو بیخواب ہیں آنکھیں
پھر تشنۂ دیدِ گلِ مہتاب ہیں آنکھیں

مچلے نہیں آنکھوں سے خیاباں کئی دن سے
آئی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے

تسکیں کا اثر بزمِ گلستاں میں نہیں ہے
خوشبوئے سکوں لالہ و ریحاں میں نہیں ہے

راحت کوئی انبوہِ بہاراں میں نہیں ہے
اب صبر کی طاقت دلِ ناداں میں نہیں ہے

بیتاب ہے اختر دلِ ناداں کئی دن سے
آئی نہیں وہ جانِ بہاراں کئی دن سے

اختر شیرانی

میری آنکھوں میں مچلتی ہیں ادائیں کس کی
چٹکیاں لیتی ہیں سینے میں حیائیں کس کی
ہر گھڑی کان میں آتی ہیں صدائیں کس کی
ہر گھڑی کہتا ہوں یہ کس نے پکارا ہمدم
جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آرا ہمدم

اُس کے جانے سے فضاؤں میں طراوت نہ رہی
باغ کا رنگ اُڑا پھولوں میں نکہت نہ رہی
جلوہ زارِ مہ و انجم میں وہ طلعت نہ رہی!
بجھ گیا جب سے مقدّر کا ستارا ہمدم!
جب سے رخصت ہوئی وہ انجمن آرا ہمدم

اختر شیرانی

میرے لبوں کا تبسم تو سب نے دیکھ لیا
جو دل پہ بیت رہی ہے وہ کوئی کیا جانے
اقبال صفی پوری

ستاروں سے اُلجھتا جا رہا ہوں
شبِ فرقت بہت گھبرا رہا ہوں
فراقؔ

تمام خستگی و ماندگی ہے عالمِ ہجر
تھکے تھکے سے ستارے تھکی تھکی سی رات
فراقؔ

اُن کے بغیر ہم جو گلستاں میں آ گئے
محسوس یہ ہوا کہ بیاباں میں آ گئے
شکیلؔ

نظر نواز نظاروں میں جی نہیں لگتا
وہ کیا گئے کہ بہاروں میں جی نہیں لگتا
شکیلؔ

اُٹھتے ہی ہائے یار کے باغ کا باغ اُجڑ گیا
پھول بھی ہیں تباہ سے سبزہ بھی پائمال سا
جگرؔ

اُدھر دامن کسی کا جھاڑ کر محفل سے اُٹھ جانا
ادھر نظروں میں ہر ہر چیز کا بے کار ہو جانا

جگرؔ

بیتاب تڑپتا ہے گھٹا میں پی کہاں کہہ کہہ
ہماری رُوح سوزِ عشق سے اسطرح جلتی ہے

جوشؔ

گزُری ہے رات دن کے اُجالوں کی آس میں
جاگا ہے درد صبح کی پہلی کرن کے ساتھ

شوکت رضوی

کل شب غمِ فراق میں تڑپا ہوں اسقدر
شبنم کو اپنے ساتھ رُلاتا رہا ہوں مَیں

عارفؔ بٹالوی

چبھ رہی ہے اب ستاروں کی چمک
آگ ہے یہ چاندنی تیرے بغیر

عارفؔ بٹالوی

تم سے تھی کچھ وہ چاند ستاروں میں روشنی
تم ہی نہیں تو چاند ستاروں کو کیا کروں

عارفؔ بٹالوی

راتوں کو تصور ہے اُن کا اور چپکے چپکے رونا ہے
اے صبح کے تارے تو ہی بتا انجام میرا کیا ہونا ہے

ساغر نظامی

سیرِ گُل خوش نہیں آئی کسی عنواں ہمیں
جا کے لوٹ آئے ہیں دیوارِ گلستاں کے قریب

حسرت موہانی

ہجر میں مضطرب سا ہو ہو کے
چار سُو دیکھتا ہوں رو رو کے

جرأت

ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن میں لیک
جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آئی ہے بہار

مرزا مظہر جانِ جاناں

بہت مشکل ہے جینا تیرے وعدوں کے بھروسے پر
جگر کٹ کٹ گیا تب جا کے آخر وقتِ شام آیا

نادیم

خود وقت کے قدموں میں زنجیر نظر آئی
جب آپ کی آمد میں تاخیر نظر آئی

ندیم

جانے کہاں ہیں لالہ و گُل کی لطافتیں
اُڑسا گیا ہے رنگِ بہاراں تیرے بغیر
ماجد صدیقی

چاندنی افسردہ، گُل بے رنگ و بُو، نغمے اُداس
اِک تیرے جانے سے کیا بتلاؤں کیا کیا ہو گیا
عندلیب شادانی

کہوں کس سے مَیں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
غالبؔ

دن یُونہی کاٹتے ہیں قفس میں اسیرِ غم
گلشن کی سمت دیکھ لیا اور رو دیئے
صابر رامپوری

تجھ بِن چمن کی سَیر سے کیا یار لے گئے
جوں لالہ داغ سینے میں دو چار لے گئے
نثارؔ

تم دُور تھے نظر سے اور چاندنی کِھلی تھی
آنکھوں سے رات پیہم ٹوٹا کئے ستارے
عندلیب شادانی

شراب

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد!
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

لے بھی آ اُڑتے ہوئے پھول لرزتے ہوئے رنگ
زندگی کو طلبِ لغزشِ پا ہے ساقی!

عدمؔ

صد سالہ دورِ چرخ تھا ساغر کا ایک دَور
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

گستاخؔ رامپوری

کوندتی پھرتی ہے اِک برق سی میخانے میں
خُم سے شیشے میں کبھی شیشے سے پیمانے میں

رضیؔ بدایونی

میں نے دیکھا ہے شام کا منظر
آسماں بھی شراب پیتا ہے

ماہرؔ افغانی

پاک صاف ایسی ہے جس نے پی فرشتہ بنگیا
زاہدو! یہ حُور کے دامن میں ہے چھانی ہوئی

ریاضؔ خیرآبادی

جام دینا طلوُع ہوتے ہیں
چاند تاروں کو کون پُوچھے گا

عدمؔ

اے ذوقؔ دیکھ دُخترِ رز کو نہ مُنہ لگا
چھُٹتی نہیں ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہُوئی
محمد ابراہیم ذوقؔ

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں ساقی صراحیٔ مے لا
میر انشاء اللہ خاں انشاؔ

جام اُدھر چھلکے اِدھر راتیں درخشاں ہوگئیں
ظلمتیں لہرا کے سامانِ چراغاں ہوگئیں
فراقؔ

جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہوگئیں
غالبؔ

قُلقُلِ مینا کا نغمہ بوتلوں میں بند تھا!
دیکھئے جس جس نے پی آنکھیں غزلخواں ہوگئیں
عارفؔ بٹالوی

سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے میخانے میں
خُلد شیشے میں ہے فردوس ہے پیمانے میں
جگرؔ

میخانہ ہے اُسی کا یہ دُنیا اُسی کی ہے
جس تشنہ لب کے ہاتھ میں جامِ شراب ہے

جگر

گرمی و سردی کے مٹ جاتے ہیں جس سے سب مرض
لال لال اِک ایسی نکلی ہے دوا برسات کی

حسرت موہانی

قضا میں جان آئی رُوح جاگی دم میں دم آیا
یہ تُو نے کیا ہمارے سامنے پیرِ مغاں رکھدی

عارف بٹالوی

میں جانتا ہوں چھلکتا ہوا گناہ ہے یہ!
تو اس گناہ کو بے احتساب پینے دے

اختر شیرانی

میرے دماغ کی دُنیا کا آفتاب ہے یہ
ملا کے برف میں یہ آفتاب پینے دے

اختر شیرانی

لرزتے ہاتھ میں جس وقت جام لیتا ہوں
غمِ حیات سے اِک انتقام لیتا ہوں

ساغر نظامی

اُس کے ہاتھوں میں کیا نہیں ہوتا
جس کے ہاتھوں میں جام ہوتا ہے

عدم

وہ سامنے دھری ہے صراحی بھری ہوئی
دونوں جہاں ہیں آج میرے اختیار میں

حفیظ جالندھری

اُٹھا جو مینا بدست ساقی رہی نہ کچھ تابِ ضبط باقی!
تمام میکش پکار اُٹھے یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

شکیل

چڑھا کے ساغرِ مے جگمگا اُٹھے چہرے
سمٹ کے آ گئی سینوں میں آفتاب کی آنچ

فراق

مستی ہے کیف ہے نہ نشہ ہے نہ بیخودی
کس درد کا علاج شرابِ طہور ہے

جنابِ شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا
مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

ہیں بس کہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

غالبؔ

پوچھ مت وجہ سیہ مستیٔ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

غالبؔ

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے!
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

غالبؔ

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

غالبؔ

یا تیز تھی مے یا تو نیا رند بنا تھا
ہر جام بہک جانے کا امکان رہا تھا

عارفؔ اٹاوی

گلال رُخ پہ، نشہ آنکھ میں، ہنسی لب پر
شراب پی کے عجب چیز ہو گئے ہو تم

فارغؔ بخاری

فصلِ گُل

دیکھو میری نگاہ سے اعجازِ فصلِ گُل
پتھر بھی سبزہ پوش ہوئے ہیں بہار میں

ہر پنکھڑی کے طاق میں ہنس ہنس کے صبح کو
شمع جلا رہی ہے کرن آفتاب کی
جوشؔ

پنکھڑی کوئی بھی شبنم سے نہیں ہے خالی
ساقیٔ صبح کے ہر پھول میں پیمانہ ہے
جوشؔ

دھوم مچی ہے آمدِ فصلِ بہار کی
مانوس دل کو پاتے ہیں دیوانگی سے ہم
حسرتؔ موہانی

موسمِ گل میں عجب رنگ ہے دیوانوں کے
چاک داماں ہے کوئی چاک گریباں کوئی
حسرتؔ موہانی

ہر پھول چمن میں زر بکف ہے
بانٹے ہیں بہار نے خزانے
حسرتؔ موہانی

اللہ ری بہار کی رنگ آفرینیاں
صحنِ چمن کو تختۂ جنت بنا دیا
حسرتؔ موہانی

نشو و نمائے سبزہ و گل سے بہار میں
شادابیوں نے گھیر لیا ہے چمن تمام

حسرت موہانی

ایسا کہاں بہار میں رنگینیوں کا جوش
شامل کسی کا خونِ تمنا ضرور تھا

جگر

کلی چٹک نہ سکی پھول مسکرا نہ سکے
بہار آئی تو لیکن یہ کیا بہار آئی

محمود شاہ شوکت

صبا کی چھیڑ پہ گلوں کا مست ہو کے جھومنا
لپک لپک کے ایک دوسرے کے منہ کو چومنا

عندلیب شادانی

عنادل کی غزل خوانی کے دن ہیں
گلوں کی چاک دامانی کے دن ہیں!

فضلی

کرو نہ کچھ فکرِ جام ساقی بہار آنے تو دو چمن میں
گلوں سے ٹپکے رنگِ مستی ہوا کرے گی شراب پیدا

اکبر الہ آبادی

موسمِ گل میں عجب رنگ ہے میخانے کا
شیشہ جھکتا ہے کہ مُنہ چُوم لے پیمانے کا

جلیلؔ مانکپوری

آج ہے وہ بہار کا موسم
پھُول توڑوں تو جام ہاتھ آئے

جلیلؔ

پریاں ہیں سب یہ غنچہ وگل اے نسیمِ صبح
کچھ اُڑ چکی ہیں کچھ ہیں ابھی خواب ناز میں

جلیلؔ

تیرے نفس سے بھی چٹکا نہیں کوئی غنچہ
یہ حادثہ بھی نسیمِ بہار دیکھا ہے

عدمؔ

ہوا ناچتی ہے فضا گا رہی ہے
بڑی تمکنت سے بہار آ رہی ہے

عدمؔ

کیا مستیاں چمن میں ہیں جوشِ بہار سے
ہر شاخِ گل ہے ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے

اصغرؔ

میں خون دیکھ کے آیا ہوں شاہراہوں پر
مجھے یقین دلا دو بہار آئی ہے
محسن احسان

ہوائے باغ میں اک گل کی تازگی کے لئے
ہزار عہدِ بہاراں خزاں ہوئے ہوں گے
تابش دہلوی

توبہ کو توڑنے کی تو نیّت نہ تھی مگر
موسم کا احترام نہ کرتے تو ظلم تھا
عدم

چمن میں غنچہ و گل سے ٹپک رہا ہے لہو
نگاہِ موسمِ گل ہیں غمِ خزاں کے لئے
عارف بٹالوی

ہم کو شگفتہ پھول بھی افسردہ تر ملے
لب پہ ہنسی تو سینے میں داغِ جگر ملے
عارف بٹالوی

روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں
گلشن میں چاک چند گریباں ہوئے تو ہیں
فیض

اب بھی خزاں کا راج ہے لیکن کبھی کبھی
گوشے چمن چمن میں غزل خواں ہوئے تو ہیں
فیضؔ

رنگ لے صبا چلی آتشِ گل بھڑک اُٹھی
آگ بہار سے لگی پھول ہوئے چمن فروز
ساغر نظامی

سب کو ہیں خدمتیں سپرد بارگہِ بہار میں
موجِ صبا ہے گلفروش ابر چمن گہر فروش
ساغر نظامی

چٹک رہے ہیں شگوفے دہک رہے ہیں گلاب
وفورِ موسمِ گل ہے کہ باغ جلتے ہیں
ندیم قاسمی

عجب حوصلہ ہم نے غنچوں کا دیکھا
تبسم پہ ساری جوانی لٹا دی
جلیل مانکپوری

ساون کی رُت آ پہنچی کالے بادل چھائیں گے
کلیاں رنگ میں بھیگیں گی پھولوں میں رس آئینگے
ساغر نظامی

مجھے شادابیٔ صحنِ چمن سے خوف آتا ہے
یہی انداز تھے جب لُٹ گئی تھی زندگی اپنی

ظہیر کاشمیری

بے طرح جوشِ گُل نے چمن میں لگائی آگ
ڈرتا ہوں آشیانے کو کافر جلا نہ دے

فغاںؔ

نظر نظر میں اِک طلسمِ رنگ و نور چھا گیا
یہ کون مسکرا رہا ہے پردۂ بہار میں

محمود عالم شبنم صدیقی

شمر و شعلہ پہ ہے لالہ و گُل کا دھوکہ
سیلِ آتش پہ بہاراں کا گماں ہوتا ہے

عابد علی عابدؔ

پیہم زمینِ باغ سے اٹھتی ہے موجِ رنگ
پیہم ردائے خاک پہ گل کا رہے بہار

عابد علی عابدؔ

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

غالبؔ

ہوش اُڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسدؔ
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب
غالبؔ

ہے جوشِ گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہیں مرغِ چمن کے پاؤں
غالبؔ

آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
غالبؔ

ہوئی ہے جوشِ گُل سے جوشِ وحشت اسقدر پیدا
کہ ہر موجِ صبا پہنے ہوئے زنجیر پھرتی ہے
ظفرؔ

کیا ہنگامۂ گُل نے میرا جوشِ جنوں تازہ
ادھر آئی بہار ایدھر گریباں کا رفو ٹوٹا
تاباںؔ

ہنس کے گُل نے کھو دیا اپنا وقارِ زندگی
رو کے شبنم نے دیا سارے چمن کو تازہ نم
عارفؔ بٹالوی

مُلاقات

اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے!

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا
مولانا حالیؔ

دل نے پایا قرار پہلو میں
گردشِ کائنات ختم ہوئی
سیفؔ

گئے تھے زعم میں اپنے پہ اسکو دیکھتے ہی
جو دل نے ہم سے کہے تھے پیام بھول گئے
شاہ حاتمؔ

کتنی باتیں بنا کے لاؤں لیک
یاد رہتیں تیرے حضور نہیں
میرؔ

بیساختہ نگاہیں جو آپس میں مل گئیں!
کیا منہ پہ اس نے رکھ لئے آنکھیں چرا کے ہاتھ
نظامؔ رامپوری

نہ بھولے گا نہ بھولے گا قیامت تک نہ بھولے گا
کسی کا وہ محبت سے میرے سینے پہ سر رکھنا
سید کاظم علی شوکت بلگرامی

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں

محمد علی جوہر

آج تو حسن و محبت ہو گئے تھے مل کے ایک
تو نے وہ عالمِ نگاہِ ناز کا دیکھا نہیں

فراق

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

فراق

دیکھتے ہی اُنہیں وہ حال نہ تھا
مُجھ کو جیسے کبھی ملال نہ تھا

جوش

عدمؔ! اتفاق اور اتنا حسیں
ملاقات اور چاندنی رات میں

عدمؔ

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارہ نہیں ہوتا
آنکھ اُن سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

اکبرؔ

سامنے آتے ہی اُن کے آنکھ پُرنم ہو گئی
جانے کیا دیکھا کہ ضبطِ آرزو مشکل ہوا!

ساغر نظامی

ان کا آنا حشر سے کچھ کم نہ تھا
اور جب پلٹے قیامت ڈھا گئے

ندیم قاسمی

مرے دل میں تھا کہ کہوں گا یہ مرے دل میں رنج و ملال ہے
وہ جب آگیا مرے سامنے تو نہ رنج تھا نہ ملال تھا

ظفر

یہ رنگ لائی ملاقات غیر کی دیکھا
سدھاری شرم حیا چل بسی حجاب گیا

بیخود دہلوی

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
کہنے کی ہیں سب باتیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

میر

یوں ابر دبا دے دل میں ہزار باتاں!
جب تیرے آگے آوے گفتار بھول جاوے

ابرد

شمع و پروانہ

کہہ گیا شمع سے پروانہ کہ ناممکن ہے
میں جلوں اور کلیجہ رہے ٹھنڈا تیرا

گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے
موت آئی ہے، سر چڑھتا ہے دیوانہ ہوا ہے
آتش

شمع کی مانند ہم اس بزم میں
چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
میر درد

صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی
کیا پتنگے نے التماس کیا
میر

کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلۂ پُر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا
میر

کیا جانیے کہ شمع سے کیا صبح کہہ گئی
اک آہ کھینچ کر جو وہ خاموش ہو گئی
حسن

ہم رونے پہ آ جائیں تو دریا ہی بہا دیں.
شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا!
ذوق

پروانوں نے فانوس کو دیکھا تو وہ بولے
کیوں ہم کو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

اکبرؔ

وہ جو پروانے جلے رات کی رات!
منزلِ عشق سے آساں گزرے

عابد علی عابدؔ

اے شمع تیری عمرِ طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

ذوقؔ

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

غالبؔ

خوب انصاف تیری انجمنِ ناز میں ہے
شمع کا رنگ جمے خون ہو پروانوں کا

جلیلؔ

کوئی تو بات شمع کے جلنے میں تھی ضرور
جس پر نثار ہستیِ پروانہ ہو گئی

عبدالحمید حیرتؔ

سب ہو گئے اُٹھ اُٹھ کے اِک بار نثارِ شمع
پروانوں نے کیا جانے کیا وقتِ سحر دیکھا

جگر

اِسے ہمّت کہیں یا عشق کا دیوانہ پن سمجھیں
جلے جاتے ہیں پھر بھی شمع سے جا کر لپٹتے ہیں

عارف بٹالوی

پروانوں کو رات بھر جو روئی
روشن ہے کہ شمع موم دل تھی

عابد

اس کی تصویر کسی طرح نہیں کھچ سکتی
شمع کے ساتھ تعلّق ہے جو پروانے کا

جگر

جذبۂ شوق نے دم لینے کا موقع نہ دیا
شمع منہ دیکھتی ہی رہ گئی پروانے کا

جگر

صبح تک یہ یادگارِ عشق بھی افسانہ تھی
شمع اب ہے دفن جس جا تربتِ پروانہ تھی

جگر

اور ہی کچھ کہہ رہا ہے رنگِ بلتیا بانہ آج
اُڑ نہ جائے شمع کو لے کر کہیں پروانہ آج

جگر

دیکھ لیں شمع کو تاثیرِ وفا کے منکر
جل بجھی خود بھی جلایا تھا جو پروانے کو

حسرت موہانی

اے شمع اُن پتنگوں کی تجھ کو کہاں خبر
جو اپنے اشتیاق کی گرمی سے جل گئے

عدم

بطورِ پوچھا شمع رات رقص کرتی رہی
یہ کس کی بھینٹ چڑھائے گئے تھے پروانے

عارف بٹالوی

بہر صورت یہ روشن ہے کہ پروانوں پر کیا گزری
جنہیں جینا پڑا اُن سوختہ جانوں پہ کیا گزری

عابد

اس غم میں اشک ریز شمع عمر بھر رہی
چمکا تھا نام جن کی بدولت وہ مر گئے

عارف بٹالوی

حسن اور عشق کے نیرنگ خدا ہی جانے
شمع جلتی ہے کہ دل جلتا ہے پروانے کا
ثاقب لکھنوی

ذرا دیکھ پروانے کروٹ بدل کر
ستی ہو گئی شمع محفل میں جا کر
ثاقب

شمع بُجھ کر رہ گئی پروانہ جل کر رہ گیا
یادگارِ حسن و عشق اِک داغ بن کر رہ گیا
عزیز لکھنوی

اب جفا ہے نہ وفا یادِ وفا باقی ہے
تھی جہاں شمع وہاں خاک ہے پروانے کی
فانی بدایونی

خاک پروانے کی برباد نہ کر بادِ صبا
یہی ممکن ہے کہ کل تک میرا افسانہ بنے
اصغر

شریک سوز ہیں پروانے شمع کے اختر
ہمارے دل کا مگر کوئی غمگسار نہیں
اختر شیرانی

پروانہ اور شمع کی صحبت نہ مجھ سے پوچھ
اپنی نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائی بات
سودا

کہے تھا شمع سے پروانہ رات جلتے وقت
کہ حقِ بندگی اس طرح سے ادا کیجے
سودا

بیگناہ ہر شب لیا کرتا ہے پروانوں کی جان
کیا جواب اس کا خدا کو دیگا محشر میں چراغ
اکبر الہ آبادی

اگر اللہ دیتا قوتِ گفتار شمع کو ہا
تو دادِ ہمّتِ پروانہ دیتی یک زباں ہو کر
اکبر

رہنے دے ابھی طاق پہ شمع کہ کسی روز
خاکسترِ پروانہ سے پروانہ بنے گا
ندیم قاسمی

عجیب شمع ہے جو جل کے خود نہیں بجھتی
عجیب تر ہیں مگر بے نیاز پروانے
ندیم قاسمی

پروانہ تو تاریکیٔ شب پر نثار ہے
لڑتا ہے شمع سے کہ وہ دشمن ہے رات کی

علامہ اقبال

نہ ہنس بربادیٔ پروانہ پر اے حسنِ بے پروا
جنازہ شمع کا بھی صبح تک نکلے گا محفل سے

ثاقب

فروغِ شمع جواب ہے رہیگا صبحِ محشر تک!
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

نامعلوم

شمع گو معشوق ہے پروانہ عاشق ہے مگر
وائے قسمت دونوں جلنے کے لئے پیدا ہوئے

آرزو

آگ میں کود پڑا دل کی لگی وہ شے ہے
آتشِ شوق کو پوچھے کوئی پروانے سے

مرزا یگانہ

ایک جلنے کے سوا اور کوئی کیا جانے
حالتیں کتنی گذر جاتی ہیں پروانے پر

یگانہ

عشق پروانوں کو تھا وہ جل گئے!
شمع کیوں خاموش ہو کر رہ گئی!

شکیل

ہلاکت خیز ہیں ناز و نیازِ شمع و پروانہ!
کہ ان جھگڑوں سے اکثر آگ لگ جاتی ہے محفل میں

شکیل

شمع کی آگ میں دل جلتے ہیں پروانوں کے
حوصلہ دیکھئے ان سوختہ سامانوں کا

شکیل

اہلِ جنوں کو تاب کہاں سوزِ حسن کی
جلتے ہی شمع خاک میں پروانہ مل گیا

شکیل

وہ اشکِ شمع کے انبار خاکِ پروانہ
بنے ہوئے جمال و جلال افسانہ

عارف بٹالوی

سمجھے نہ رات حسن و محبت کے راز ہم
افسانے اشک و خاک کے وقتِ سحر ملے

عارف بٹالوی

شمع پروانے سے کہتی ہے یہ رو کر شب ہجر
آج کی رات بچیں گے تو سحر دیکھیں گے

عارف بٹالوی

صبح دم خاکِ پروانہ پہ یہ جملہ لکھا پایا
بتا کر رازِ دل ہم کیوں کسی کو رازداں کر لیں

عارف بٹالوی

مارے حیا کے مر گئی شمع یہ سوچ کر
دن چڑھ گیا ہے جاں نثاروں کو کیا کروں

میر

شمع نے آگ رکھی سر پہ قسم کھانے کو
بخدا میں نے جلایا نہیں پروانے کو

یگانہ

خود اپنی آگ میں جلتا تو ضبط کیا ہوتا
مزاج داں نہ تھا پروانہ شمع محفل کا

اصغر

اک شعلہ اور شمع سے بڑھکر ہے رقص میں
تم چیر کر تو سینۂ پروانہ دیکھتے

کوششِ ناتمام

سارا دیوانِ زندگی دیکھا
ایک مِصرع نہ اِنتخاب ہُوا

سودا

محشرِ خیال

ہے آدمی بجائے خود ایک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ہے آدمی کے فکر میں اِک محشرِ خیال!
یہ فتنۂ خموش قیامت سے کم نہیں!

۲۸۲

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

غالبؔ

جب مسرّت قریب آئی ہے
غم نے کیا کیا ہنسی اُڑائی ہے

جگرؔ

شمعِ نظر، خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تیری محفل سے آئے ہیں

فیضؔ

اُٹھ کر تو آ گئے ہیں تیری بزم سے مگر
کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں

فیضؔ

تمہیں نے تو مجھ کو تماشا بنایا
تمہیں ہنس رہے ہو تماشا سمجھ کر

نخشب جارچوی

بجھ گیا دل حیات باقی ہے
چھپ گیا چاند رات باقی ہے

خمارؔ بارہ بنکی

تیری زلف کے یہ سائے بس آ گئے کون جائے
تو کہے تو زندگی کو میں یہیں سلام کر لوں

شیونؔ رضوی

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں

حسرتؔ موہانی

اِنکار اور اِک جُرعۂ صہبا سے بھی انکار!
ساقی یہ تیری کم نگہی یاد رہے گی!

حسرتؔ موہانی

لوگ سب جان گئے چھپ نہ سکی شوق کی بات
ہیں گلی سے جو تیری ہو کے مکرّر گزرا

حسرتؔ موہانی

دلِ مضطر کی سادگی دیکھو!
پھر اُنہی سے سوال کرتا ہے

حسرتؔ موہانی

زندگی کو بے نیازِ آرزو کرنا پڑا
آہ کن آنکھوں سے انجامِ تمنّا دیکھتے

ساحرؔ لدھیانوی

محبّت ترک کی مَیں نے گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو زہر یہ بھی پی لیا میں نے
ساحر

موت آ گئی نہ ہو مرے ذوقِ اُمید کو
محرومیوں میں کیف سا پانے لگا ہوں میں
ساحر

اِک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبّت کا اُڑایا ہے مذاق
ساحر

حیات اِک مستقل غم کے سوا کچھ بھی نہیں شاید
خوشی بھی یاد آئی ہے تو آنسو بن کے آئی ہے
ساحر

اپنی تباہیوں کا مجھے کوئی غم نہیں!
تم نے کسی کے ساتھ محبّت نبھا تو دی
ساحر

دیوانہ وار دوڑ کے کوئی لپٹ نہ جائے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھا نہ کیجئے
یگانہ

وہ چند سوکھے ہوئے تنکے یوں تو کیا تھے مگر
قفس میں آ ہی گئی یاد آشیانے کی

فراق

معمورۂ فنا کی کوتاہیاں تو دیکھو!
اک موت کا بھی دن ہے دو دن کی زندگی میں

سیماب

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

ظفر

زندگی کہتے ہیں کس کو موت کس کا نام ہے
مہربانی آپ کی نامہربانی آپ کی

بہزاد

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا!
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا!

مومن

جب تم ہی غمِ دل کی کہانی نہیں سنتے
پھر کس سے پریشانیِ حالات کہیں ہم

عارف بٹالوی

وہاں سے ہاں کی تمنا میں عمر بیت گئی
جہاں نہیں کے سوا دوسرا جواب نہیں
شریف حسین شاکرؔ

یہ تو رُو دادِ عشق ہے اپنی
ہم تمہارا گِلہ نہیں کرتے
شاکرؔ

جب سے اُٹھے ہیں تیری محفل سے
ہم نہیں اور بھی کم جاتے ہیں
باقیؔ صدیقی

غیر نے تم کو جاں کہا، سمجھے بھی اُس نے کیا کہا
یعنی کہ بے وفا کہا، جان کا اعتبار کیا
مومنؔ

اپنے اشکوں کو تبسم میں چھپا کر ہمنشیں!
مسکراتا پھر تیری محفل سے جا سکتا ہوں میں
عزیزؔ جاوید حیدرآبادی

حُسن میں خوئے وفا دولت ہیں تسکینِ تمام
آدمی محسوس کرتا ہے مگر ہوتی نہیں!
احسانؔ دانش

چلا ہوں میں کوچے سے اُس کے بگڑ کر
ہنسی آ رہی ہے کہ آنا پڑے گا

خمار بارہ بنکی

کوئی امیر تیرا دردِ دل سُنے کیوں کر
تُو ایک بات کہے اور دو گھڑی روئے

امیر مینائی

تم نے تو زمانے کے ڈر سے اے دوست ہمیں بھی چھوڑ دیا
ہم ابھی تو دنیا والوں کی ہر بات گوارا کرتے ہیں

شوکت رضوی

ہم تیری بزم سے یہ سوچ کے لوٹ آئے ہیں
تُو زمانے کو ذرا دیکھ لے پھر آئیں گے

شوکت واسطی

لحد میں کیوں نہ جاؤں منہ چھپائے
بھری محفل سے اُٹھوایا گیا ہوں

شاد عظیم آبادی

اُس بُتِ کافر کی جب یاد آ گئی
دل بھر آیا اور آنسو بہ گئے

اختر قدسی

پہلو سے یوں کوئی سرِ محفل نکل گیا
محسوس یہ ہوا کہ میرا دل نکل گیا

ریاض خیرآبادی

کیوں مرے جاتے ہو ناطق ابھی جلدی کیا ہے
تم نے ہونا ہو تو کھا پی کے مسلماں ہونا

ناطق

اِس ڈر سے کہیں خودی نہ بن جائے خدا
کر لیتے ہیں ہم گناہ گاہے گاہے

جوش

اس بلائے جاں سے آتش دیکھئے کیونکر نبھے
دل سوا شیشے سے نازک دل سے نازک خوئے دوست

آتش

دل میں رہ کے وُہ دُور رہتے ہیں
دُنیا والوں سے ڈر رہے ہوں گے

شوکت واسطی

مجھ پہ ظاہر ہے آپ کا باطن
منہ نہ کھلواؤ مَیں شرابی ہوں

ساغر صدیقی

بزم میں دیکھا ہے کس حسرت سے میں نے سوئے دوست
مجھ کو دشمن سے گلے مِل کر جو آئی بوئے دوست

داغ

بند کر لیں مَیں نے آنکھیں آ مِری بالیں پہ آ
بے مروّت، بے وفا، یہ شرط بھی منظور ہے

آشفتہ لکھنوی

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر

ریاض

وہ شورشیں جو دونوں جہاں میں تھیں فتنہ ساز
اِک جا سمیٹ کر اُنہیں اِنساں بنا دیا

عارف بٹالوی

حسرتِ دید مٹ گئی لذّتِ دید کی قسم!
مجھ پہ کبھی کرم نہ کر عشق کا غم بڑھائے جا

نظر حیدر آبادی

راہ میں رہرو بلا ہی کرتے ہیں
تم ہمیں دیکھ کر گزر جاتے!

شوکت واسطی

دل جانے ہے جو دکھ شبنم نے کہا گُل سے
اب ہم تو چلے یاں سے تُو رہ جو رہا جائے

میر درد

میرے تئیں مت روکو یارو اس کی اور کو جانے دو
دل کی بات رہے ہے کیوں دل ہیں دلبر سے کہہ آنے دو

میر درد

ساری کہانی بے چینی کی ماتھے پر لکھ دیتی ہے
ایسی بات کہ گھٹتے گھٹتے منہ تک آئے اور رہ جائے

آرزو لکھنوی

آدمی اور گناہ سے پرہیز
تم بھی اختر کمال کرتے ہو

اختر انصاری

خُدا ہی ہے میری توبہ کا جب ساقی کہے مجھ سے
ارے پی بھی کہاں کی پارسائی لے کے بیٹھا ہے

شوق

کوئی کہاں تک دل کو سنبھالے
لے غمِ جاناں تیرے حوالے

اعجاز ساجد

کچھ اس متانت سے جھوم کر چل کہ ٹوٹ جائے نظامِ گلشن
شگفتگی بن کے پھوٹ نکلے کلی کلی سے شباب تیرا
ساغر نظامی

ابھی ٹھہرو کہ ہے نظارۂ دامانِ تر باقی!
ابھی تو چار آنسو آئے ہیں چاکِ گریباں تک
ساغر نظامی

میری تنہائیوں کی خوف سامانی ارے توبہ
کہ پروانے نہیں آتے چراغِ شامِ ہجراں تک
ساغر نظامی

شمع بھی سنتی رہی پروانے بھی سنتے رہے
اور وہ سوتے رہے کہتے رہے افسانہ ہم
ساغر

مجھے شرع سے کوئی ضد نہیں پھر اس اتفاق کو کیا کروں
کہ جو وقت بادہ کشی کا ہو وُہی عین وقتِ نماز ہو
ساغر

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اُٹھے تو بجلی پناہ مانگے جھکے تو دنیا خراب کر دے
ساغر

کہیں مستی میں نور و نار وابستہ نہ جائیں
اٹھانا اپنے دامن کو بچانا شمعِ محفل سے
ساغر

اندھیری رات اور دامن پہ اشکوں کی درخشانی
ستاروں نے تو دیکھی ہے بساطِ کہکشاں میری
ساغر

محشر میں خلق اپنی مصیبت میں مبتلا
یاں یہ تلاش آئے کوئی خوبرو پسند
داغ

اشارۃً بھی نہ شکوے بیاں کئے ہوتے
سیئے تھے ہونٹ تو آنسو بھی پی لئے ہوتے
نخشب جارچوی

تو اپنی بزمِ ناز کو دیکھ اور ازل کو دیکھ
آیا کہاں سے تیری تمنّا لئے ہوئے
سیماب

جو بے بس ہو کے رہ جاتی ہیں للچائی ہوئی نظریں
اُنہیں حسرت بنا کے ہم نے اپنے دل میں رکھا ہے
خیال ٹونکی

عمر کی جان جوانی یہ جوانی کی ہیں جان
بارہ سے بیس تلک جو بھی ہو سال اچھا ہے
امیر مینائی

ہم بند کئے آنکھ تصوّر میں پڑے ہوں
ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو
ریاض

اچھی کہی شکایتِ جور و جفا کی بھی
اتنی سی بات کے لئے محشر میں جائیں کیا
اقبال

ہر شام اس طرح لگتا ہے جیسے
کوئی آواز دے کر چھپ گیا ہو
توصیف تبسم

یہ حکم ہے کہ اندھیروں کو روشنی سمجھو
ملے نشیب تو کوہ و دمن کی بات کرو
زہرہ نگاہ

لاکھ چھپائیں غم کو لیکن،
وہ جو اک بے کلی سی رہتی ہے
شاطر لکھنوی

میں نے چکھی تھی کہ ساقی نے کہا جوڑ کے ہاتھ
آپ للّٰلہ چلے جائیے میخانے سے

نواب اشک رامپوری

جب ہم خیالِ ساغر و مے لا کے رہ گئے
بادل اُٹھے بلند ہوئے چھا کے رہ گئے

اشک رامپوری

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

حالی

جسے عشق کہتے ہیں یہ تو نہیں ہے
وہاں آنے جانے کو جی چاہتا ہے

عارف بٹالوی

اُن کو یہ ڈر نہ آئے کہیں آستاں پہ حرف
مجھ کو یہ ضد کہ رکھ کے اُٹھاؤں نہ سر کو میں

رسا

جنازہ دیکھنے میرا نکل آئے وہ گھبرا کر
کسی نے کہہ دیا میّت جواں معلوم ہوتی ہے

سیماب

قابلِ رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردے پردے ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

نامعلوم

محبت میں نصیحت کو تو اکثر غمگسار آئے
اُنہیں کوئی نہ لایا جن کے دیکھے سے پیار آئے

اشک رامپوری

پھر شام کو روشن ہوئی محفل میں دوبارہ
کیا شمع کو رُودادِ سحر یاد نہیں ہے

اسلم رامپوری

ہاتھوں کو اُٹھاتا ہوں کہ رہ جائے بھرم ہی
ہر چند نیا حرفِ دُعا یاد نہیں ہے

اسلم رامپوری

یہ شانِ التفات تھی جو کچھ ہوا، ہوا
اب وجہ التفات نہ سمجھائیے مجھے

محسن اعظم گڑھی

چمن میں آشیاں کی خاک پر سر رکھ کے جاں دیدی
قفس سے چھوٹ کر سیدھا اسیرِ غم وہیں آیا

رضا اکبر آبادی

شکریہ پُرسشِ غم کا، مگر اصرار نہ کر
پُوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو
عندلیب شادانی

اللہ اللہ رے مجبُوریٔ آدابِ وفا
سامنے سے وہ نکل جائیں بُلا بھی نہ سکوں
شمس لکھنوی

توبہ ٹوٹی ہے ضرور آج کسی اُونچے کی
توبہ توبہ کی صدا آتی ہے میخانے سے
امیر مینائی

چمن والوں نے شبنم کہہ کے پردہ رکھ لیا ورنہ
پسینہ آ گیا تھا گُل کو فریادِ عنادل سے
نامعلوم

نہ کر رُسوا مذاقِ مے کشی کو
بُجھا دیجئے بے پئے ہی تشنگی کو
راہی مراد آبادی

تڑپا کے خُود بھی تڑپے ہیں اس کا ملال ہے
جو میرا حال تھا وُہی اب اُن کا حال ہے
شکیل رامپوری

وہ آئے ہیں پریشاں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

نامعلوم

اُڑنے والے ابھی تک نہ بام سے اُترے
تڑپنے والے تڑپ کر فلک کو چھو آئے

ریاض

یہ کیا نداق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے

ریاض

تیری بزم میں کیسے الزام آئے
گئے نیک نام اور بدنام آئے

رشید رامپوری

کیوں اہل قفس ہیں مطمئن سے
کیا پھول قفس میں بھی کھلے ہیں

تمہیدالاسلام

طرب اس دورِ پُر آشوب میں کیا کچھ نہیں ممکن
گلہ دشمن سے کیا ہو جب نگاہِ دوستاں بدلے

آصف طرب ندی

صدائے قلقلِ مینا تھے مے پہ سر کو نہ دھُن
کہ گا رہی ہے اجل اپنا راگ پانی میں
حکیم فرخ

جس کے موڑوں پہ لٹایا گیا انساں کا سہاگ
میں تو اس راہ کو تلووں کا لہو تک بھی نہ دوں
ندیم قاسمی

مدّت کے بعد اذنِ تبسم ملا ہمیں
وہ بھی کچھ ایسا تلخ کہ آنسو نکل پڑے
ندیم قاسمی

بہت قریب نہ آؤ کہ دُور سے بھی ہمیں
وہ آنچ آئی کہ مرجھا گئے دلوں کے چمن
ندیم قاسمی

وہ جھوم کے اٹھی گھٹا لہرانے لگا دل
زاہد کو بلائیو کہ چلی ہاتھ سے توبہ
اختر شیرانی

راہیں لٹ سی گئیں مٹ سے گئے قدموں کے نقوش
سن رہا ہوں تیری پازیب کی جھنکار ابھی
ندیم قاسمی

یہ کیا طلسم ہے دریا میں بن کے عکسِ قمر
رُکے ہوئے بھی تمھی ہو رواں بھی تمھی ہی

ندیمؔ قاسمی

توبہ سے ہماری بوتل اچھی
جب ٹوٹی ہے جام بن گئی ہے

ریاضؔ

پانی پی پی کے توبہ کرتا ہوں
پارسائی سی پارسائی ہے

وجاہتؔ

حیرتؔ کے غمکدے میں خوشی کا گذر کہاں
تم آ گئے تو رونق کاشانہ ہو گئی

حیرتؔ شملوی

کون آتا ہے پلٹ کر سیفیؔ
شمع بے کار جلائی ہم نے

اقبالؔ سیفی

اکثر ایسا ہوا ہے اے سیفیؔ
ہم نے تنہائی بولتے دیکھی

اقبالؔ سیفی

دو جام ہیں بہکوں گا کچھ ہوش میں آ ساقی
کیسی تیری باتیں ہیں لا اور پلا ساقی

تمکین کاظمی

ہمارے حال کی ہم کو خبر ہے
بظاہر مسکرایا جا رہا ہے

مولینا جامی

یہ کس کے پاؤں کی آہٹ ملی بیمارِ ہجراں کو
سمٹ کر آ گئیں آنکھوں میں ساری حسرتیں دل کی

سرشار کسمنڈوی

انسان اور انسان کے دکھ سکھ کی کہانی!
اک راز ہے اور حشر تلک راز رہے گی

آغا حشر

مقدر میں اسیری تھی نشیمن کو اجڑنا تھا
گلہ کس کا، فلک کیسا، ستم کیا، بجلیاں کیسی

اظہر لکھنوی

دل کی جنبش رک رہی ہے ڈگمگاتے ہیں قدم
راہِ الفت میں اک ایسا بھی مقام آ ہی گیا

نیر اکبر آبادی

آنکھوں میں تو سب نے دیکھے آنسو
محسوس کیا کسی کسی نے

ساغر وارثی

میری بے نور سی آنکھوں پہ تعجب نہ کرو
یہ دیئے خود ہی بجھائے ہیں تمہیں کیا معلوم

یعقوب

دنیا نے آج دیکھا ہے مجھ کو بچشم نم
کچھ استوار غم کے سہارے ہوئے تو ہیں

محمود تابش صدیقی

محبت، شام ہجراں، دردِ الفت، مرگِ ناکامی!
یہی چند سرخیاں دلچسپ ہیں میرے فسانے کی

جاوید اقبال

عیادت کے لئے آنا کسی کا
خوشی کے مارے مر جانا کسی کا

سعید حیدر آبادی

کچھ اور مانگ رہا ہوں تیری نگاہوں سے
متاعِ دردِ محبت تو عام ہے شاید

جرأت حیدر آبادی

شبِ فراق ہے اور نیند آئی جاتی ہے
کچھ اس میں ان کی توجہ بھی پائی جاتی ہے
جگر

بقدرِ غم کوئی پرسانِ حال بھی نہ مِلا
بھر آئی آنکھ جہاں کوئی غم گسار ہوا
یوسف

جان پر کوئی اگر کھیل گیا کھیل گیا
تم سلامت رہو، مرنے کو زمانہ ہے ابھی
اشک رامپوری

مِلی فرصت جو کچھ سوزِ جگر سے
جلا دل اور آہِ بے اثر سے
اشک رامپوری

قیامت ہو گیا اظہارِ اُلفت
بظاہر لفظ تھے دو مختصر سے
اشک رامپوری

پھیکا مِسی کا رنگ ہے کاجل بہا ہوا
مِل کر رقیب سے یہ تیرا حال کیا ہوا
نوح ناروی

میرے دل سے نکل کے دُنیا میں
چین سے حسرتیں کہیں نہ رہیں

بیخودؔ بدایونی

غم ہی غم ہے میرے فسانے میں
دُکھ ہی دُکھ ہے اسے جہاں نہ سنو!

بیخودؔ بدایونی

حالت پہ میری کون تأسّف نہیں کرتا
اور میرا جگر دیکھو کہ میں اُف نہیں کرتا

نوابؔ شیفتہ

جس آرزو کو سمجھا تھا سرمایۂ حیات
وہ آرزو بھی آج نظر سے اُتر گئی

نوابؔ شمس الحسن

رگوں میں دوڑ رہا ہے کس آرزو کا لہو
بہت دنوں سے مجھے خواہشِ گناہ نہیں

شوکتؔ رضوی

اس عالمِ تنہائی میں بھی اے دوست وہی ہنگامے ہیں
ہم دل میں تمہاری یادوں کی محفل سی لگائے بیٹھے ہیں

شوکتؔ رضوی

پھر مجھے لے چلا وُہیں دیکھو!
دلِ خانہ خراب کی باتیں
ذوقؔ

اب یہ حالت ہے کہ اُن سا بے درد
میرے نچنے کی دُعا مانگے ہے
فرخؔ بنارسی

بالیں سے ساری رات نہ جانے دیا اُسے
صد آفریں ہے اے نفسِ واپسیں مجھے
سوداؔ

خوش ہوا تھا دیکھ کر کنجِ قفس کی تیلیاں
ہائے گر کے رہ گیا ٹوٹے ہوئے پَر دیکھ کر
فراقؔ

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا!
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے
ثاقبؔ لکھنوی

یار کے بندِ قبا آہستہ وا کرنے کو تھے!
چوری چوری کچھ نہ پوچھو رات کیا کرنے کو تھے
ریاضؔ

بتلائیے نہ مجھ کو میری لغزشوں کا حال
مجھ کو مجھی سے دست و گریباں نہ کیجئے

شوکت رضوی

جب کوئی گُل مجھے افسُردہ نظر آتا ہے
سوچتا ہوں کہ کہیں یہ بھی نہ ہو دل میرا

شوکت رضوی

کیا قیامت ہے ستمگار تیری طرزِ خرام
فتنہ ہر ایک قدم پر اُٹھا دمِ رفتار نیا

ظفر

چارہ گر کی نہیں تقصیر بہت کی تدبیر
کارگر زخم پہ مرہم نہ ہوا پر نہ ہوا

ظفر

بالیں پہ دمِ نزع نہ آیا وہ ستم گر
سب رکھے رہے دل ہی میں ارمان ہمارے

ظفر

جو تیرے انتظار میں جاگے تمام عمر
حیراں ہوں کس طرح سے وہ تربت میں سو گئے

ظفر

اس مست نظر کا اے ساقی میں ہی تو نہیں ہوں متوالا
دیوانہ مجھے کہنے والے خود بن جاتے ہیں دیوانے

شوکت رضوی

دُنیا کی اُلجھنوں سے فراغت اگر ملی!
روئیں گے ہم لپٹ کے تیرے پیرہن کے ساتھ

شوکت رضوی

اہلِ دل کو لذتِ منزل نہ حاصل ہو سکی
رہ نوردانِ طلب گردِ سفر دکھا گئے

شوکت رضوی

یہ پردہ ڈھکتی ہے ہر ایک مرنے والے کا
صفت زمین میں جو ہے وہ آسماں میں نہیں

شوکت رضوی

کبھی آ جاتے تھے ہنسنے کو میرے رونے پر
میرا یہ عیش بھی تمکو گوارا نہ ہوا

اودھ کی ایک خاتون

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دئیے
پیدا کئے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

میر

شبِ غم میرا تڑپنا وہ جگر میں درد ہوتا
کبھی رو کے آہ کرنی کبھی آہ کر کے رونا

کرامت

مٹا کے پھر جو بنانے پہ اب نہیں قدرت!
وہ سر جھکائے کھڑے ہیں قریب تربت کے

عارف بٹالوی

اس کی بیداد پر تو مرتا ہوں
لطف کرتا تو کیا ستم ہوتا

نواب مرحوم

کیا جانے کسے ڈھونڈا بیمار نے مرتے دم
اِک بار اِدھر دیکھا اِک بار اُدھر دیکھا

ثاقب کانپوری

پوچھا اثر سے میں نے جو دل کا معاملہ
اِک آہ سرد کھینچ کے خاموش ہو گیا

اثر لکھنوی

قبر کی تہ میں چلے جانے کا منشا کچھ نہ تھا
ہم نے سوچا دُور کچھ تو آسماں ہو جائے گا

عارف بٹالوی

بھر آئے ہیں آنسو سن کے حالِ گمریہ آنسو
ارے دل! یہ تو اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے
جلیل قدوائی

کوئی انتہا ہے اِس افسردگی کی!
میرے لب پہ آکر ہنسی رو رہی ہے
شمس عظیم آبادی

اہلِ دُنیا نے مجھے دیوانہ تو سمجھا، مگر
یہ کسی نے بھی نہ سوچا کیوں یہ دیوانہ ہُوا
شمس عظیم آبادی

تجھ کو بہکائیں گے کچھ لوگ میری جانب سے
اس زمانے کی جو فطرت ہے تجھے کیا معلوم
اسلم رامپوری

بجا کہ میری تباہی نہیں ترے باعث
مگر یہ گردشِ دوراں کا حوصلہ تو نہیں
عاشور کاظمی

جانے کیوں لوٹ کر نہیں آیا
جانے کیوں نامہ بر پہ گذری ہے
کلیم حبیبی

سنگِ در کی خبر خدا جانے
سر سے پوچھو جو سر پہ گزری ہے

کلیم جلیسری

دمِ آخر تو آ کر دیکھ جاؤ مرنے والے کو!
ابھی تک میں ہوں اس کے بعد میری داستاں ہوگی

شمس عظیم آبادی

اس شرط پر ہیں قید کی منظور سختیاں
گلشن میں ہم رہیں نہ رہیں آشیاں رہے

شمس

راہِ اُلفت کی دلِ گم گشتۂ اُلفت سے پوچھ
کام کی باتیں بتا دیتا ہے گو ناکام ہے

شمس

وہ ہم ہوں، پتنگے ہوں یا شمعِ محفل
ہیں سب جلنے والے تیری انجمن میں

شمس

اظہارِ حال کر نہ سکا میں تو رو دیا!
بے اختیار ہو کے یہ طرز اختیار کی!

شمس

میرے سپرد نہ کر انتظامِ مے ساقی
یہ چیز وہ ہے کہ عارفؔ پہ اعتبار نہیں
عارفؔ بٹالوی

نہیں ہوتا مداوائے غمِ پنہاں نہیں ہوتا
بظاہر ہنس لیا جاتا ہے دل خنداں نہیں ہوتا
خمارؔ

مجھے خاکِ رہِ زنداں کے ہر ذرّے پہ پیار آیا
کہ اس راہِ جنوں سے کتنے ہی آشفتہ سر گزرے
شمیمؔ بصیری

آپ ہی تو نہیں مگر دِل میں
ایک تصویر آپ کی سی ہے
شاہدؔ نصیر

تمہارے بعد بھی جیتے رہے ہم
ہمارے ہی مگر یہ حوصلے ہیں
شاہدؔ نصیر

مایوس تمنا جاگ اُٹھی آنکھوں کے دیئے لَو دینے لگے
اس دل کی سونی بستی میں یہ رات گئے کون آیا ہے
شوکتؔ رضوی

ضبطِ فغاں سے جی کو جلاتا رہا ہوں مَیں
خود اپنے گھر میں آگ لگاتا رہا ہوں مَیں
قتیل شفائی

بجلیاں بھی آج ہی تکلیف فرمانے کو تھیں
آج ہی تو آشیاں کو آشیاں سمجھا تھا مَیں
محشر

تجھ کو اپنی زندگی کا پاسباں سمجھا تھا مَیں
یعنی اِک نا مہرباں کو مہرباں سمجھا تھا مَیں
صابر دہلوی

آخر آخر عشق ہی نازک سہارا بن گیا!
اوّل اوّل عشق کو بارِ گراں سمجھا تھا مَیں
ساغر نظامی

سُننے والوں کی خطا کیا ہے نہ سمجھا گر کوئی!
خُود بڑی مشکل سے اپنی داستاں سمجھا تھا مَیں
بہزاد لکھنوی

برق گرتی ہے گرے صابر مجھے کیا واسطہ
کونسے دن آشیاں کو آشیاں سمجھا تھا مَیں
صابر دہلوی

ہم قفس میری اسیری کا سبب کچھ بھی نہیں
بات یہ تھی آشیاں کو آشیاں سمجھا تھا میں

جگرؔ

عرصۂ محشر میں میری خوب رُسوائی ہوئی
داورِ محشر کو اپنا رازداں سمجھا تھا میں

اقبالؔ

اُمید اور وُہ بھی حوادث کی گود میں!
اِک شمع آندھیوں میں جلاتا رہا ہوں میں

قتیلؔ شفائی

میرے دشمن بھی اب تو آ رہے ہیں
تمہیں کس وقت جانے کی پڑی ہے

سیفؔ

ناز ہے گام گام پر شرم ہے بات بات میں
حسن اُلجھ کے رہ گیا رسمِ تکلفات میں

ماہر القادری

مجھ کو بھی خود یقیں نہیں کس طرح دل نے طے کئے
غم کے ہزار مرحلے ہجر کی ایک رات میں

ماہر القادری

میرے ہی سر کی شورشیں شورشیں واقعات ہیں
میرے ہی سر کی جنبشیں محفلِ کائنات ہیں
بخاری

جیسے کہ درد مٹ گیا جیسے کہ نیند آ گئی
جیسے کہ کوئی آ گیا بزمِ تخیلات ہیں
آباد

ایک شبِ فراق ہے ایک شبِ وصال ہے
دونوں ہیں ایک شے مگر فرق بہ رات رات ہیں
آباد

ہم پر تھا لطفِ یار ابھی کل کی بات ہے
تھی باغ پر بہار ابھی کل کی بات ہے
سیفؔ

نہ کوئی مرتبہ میرا نہ کوئی جائیداد میری
بتاؤ کیسے ستائے گی اُن کو یاد میری
مرزا محمود سرحدی

پھر پوچھتے ہیں وجہِ ستم بانیٔ ستم
چوروں کو کیا بتائیں کہ لوٹے گئے ہیں ہم
مرزا محمود سرحدی

کیا یہ کم ہے اپنی دولت جاتی ہے اپنوں کے پاس
رشوتیں اب، کوئی بیگانہ تو کھا سکتا نہیں

مرزا محمود سرحدی

دل سے مجبور ہو گئے ورنہ
کون کس کا غلام ہوتا ہے

اشک رامپوری

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اِک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

اصغر

خدا بے نیاز اور بُت سنگدل
کہو کس سے ہم راہ پیدا کریں

نواب لطیف علیخاں ناظم

اُن کے عہدِ شباب میں جینا
جینے والو تمہیں ہوا کیا ہے

اختر شیرانی

درد سا صبح و شام ہوتا ہے
عشق غم کا پیام ہوتا ہے

نیمی آفندی

اکثر تیرے ساتھ چلتے چلتے
اپنے سائے سے ڈر گئے ہم
اختر ہوشیارپوری

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تیری عاقبت سنوار چلے
فیض

چلے آتے ہیں سب مجھ کو شبِ فرقت میں سمجھانے
انہیں بھی کوئی اپنے ساتھ لے آتا تو کیا ہوتا
عارف بٹالوی

مٹا مٹا کے جو دُنیا بنائی جاتی ہے
ضرور کوئی کمی ہے کہ پائی جاتی ہے
جگر

اس کے دل سے پوچھئے اُس کے جگر سے پوچھئے
آج جس کی منزلِ مقصود کل سے دُور ہے!
حیرت

چلے آئے ہو گھبرا کے کہاں سے
گرے ہوتے اُلجھ کر آستاں سے
داغ

مر مٹے پھر بھی تعلق ہے یہ میخانے سے
اپنے حصّے کی چھلک جاتی ہے پیمانے سے

ریاض

نظر باز و جوانی اُن کی ہوگی دید کے قابل!
ابھی تو گھٹنیوں چلنے لگا ہے شوق عریانی

ظریفؔ

آنکھوں کا کیا قصور بصارت کی کیا خطا
شوکتؔ نظر سے دُور نظارے چلے گئے

شوکتؔ رضوی

اسطرح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں
درحقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا

جگرؔ

میری جاں مٹ گیا تو کیا ہوا مِٹنا ہی تھا مجھ کو
میری آنکھوں سے ابتک کیوں پشیمانی نہیں جاتی

اثرؔ صہبائی

نہ جانے بے کلی کیا رنگ لائے
نہ جانے دل کہاں سے جا رہا ہے

لطیف انور گورداسپوری

ساقی شراب لایا مطرب رُباب لایا
تجھ پہ تو اِک قیامت تیرا شباب لایا
مصحفیؔ

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا
صفیؔ

عدمؔ کس متانت سے بیمار ہو کر
جواں گیسوؤں کی ہوا کھا رہے ہو
عدمؔ

تجھے بھی ہم سے شکایت ہے اے دلِ ناداں
تیرے لئے تو جوانی تباہ کی ہم نے
عدمؔ

سوال کر کے میں خود ہی بہت پشیماں ہوں
جواب دے کے مجھے اور شرمسار نہ کر
عدمؔ

اٹھا جاتا ہوں لو میں آج دنیا سے خفا ہو کر
لئے بیٹھے رہیں اب حشر تک وہ برہمی اپنی
شعریؔ بھوپالی

کیوں تکتے ہیں مشتاق نگاہوں سے تمہیں ہم
نادان نہیں ہو تمہیں معلوم تو ہوگا

عدم

سو بار لغزشوں کی قسم کھا کے چھوڑ دی
سو بار چھوڑنے کی قسم کھا کے پی گیا

عدم

بعض اوقات ڈبونے کے ارادے سے ہوا
ڈوبنے والوں کو ساحل پہ لگا دیتی ہے

عدم

اِک عمر کا ساتھی چھوٹا ہے مُدّت کا سہارا ٹوٹا ہے
دل ٹھہرتے ٹھہرے گا صبر آتے آتے آئے گا

بیدم وارثی

قفس کی زندگی جب آشیاں میں یاد آتی ہے
نہ جانے کیوں لچک جاتی ہے شاخِ آشیاں میری

تبسم نظامی

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

لطیف بدایونی

بس آج رات کو تیماردار سو جائیں
مریض اب نہ بچے گا سحر نہیں ہوتی

قمر جلالوی

اے یار دوستی کے شب و روز کیا ہوئے
برسات کی ندی تھی کہ چڑھ کر اتر گئی
نظروں میں پُر فریب تبسم ہے آجکل
تیری وہ پُر خلوص محبت کدھر گئی

عارف بٹالوی

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اِک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا

غالب

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

غالب

مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
یار لائے میری بالیں پہ اُسے پر کس وقت

غالب

تھی وُہ اِک شخص کے تصوّر سے
اب وُہ رعنائیِ خیال کہاں
غالبؔ

سب کہاں کچھ لالہ وگُل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صوُرتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں
غالبؔ

سیکھے ہیں مہ رُخوں کے لئے ہم مصوّری
تقریب کچھ تو بہرِ مُلاقات چاہیئے
غالبؔ

مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تیرے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا میرے آگے
غالبؔ

ہاں مہِ نو سُنیں ہم اُس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
غالبؔ

مَیں اور شکوہِ سنجِ غمِ داستاں نہیں
جو آپ نے سنی وہ میری داستاں نہیں
عاشور کاظمی

عمل ہے حاصلِ عزت عمل ہے باعثِ ذلّت
یہی خاکی کبھی نوری یہی خاکی کبھی ناری

نور لدھیانوی

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اقبالؒ

برسوں کا اندھیرا دور ہوا آنکھوں میں سویرے پھرتے ہیں
محسوس یوں ہوتا ہے جیسے دن آج مرے پھرتے ہیں

شوکت رضوی

دل کس بے حس شوخ پہ آیا
شیشہ پتھر سے ٹکرایا

اعجاز ساجد

دیر تک عشرتِ فردا کے خیال آتے ہیں
دور تک سلسلۂ وہم و گماں ہوتا ہے

فضل الرحمٰن

ہر پھول کو اک دیدۂ نم ساتھ دیا ہے
قدرت نے خوشی دی ہے تو غم ساتھ دیا ہے

فضل الرحمٰن

تمہاری یاد سے پھر بھی سکون ملتا ہے
اگرچہ درد میں کوئی کمی نہیں ہوتی

ظفر اکبر آبادی

حُسن کی آرزوئے خود بینی
وجہ تخلیق کائنات ہوئی

شاہد مظفر نگری

کبھی یہ وقت بھی آیا ہے نا اُمیدی میں
کہ دل پہ تیری تمنا بھی بار گزری ہے

احمد الہ آبادی

دل لے کے اُس کی بزم میں جایا نہ جائیگا
یہ مدّعی بغل میں چھپایا نہ جائیگا

داغ

خدا جانے یہ کس نے کہدیا ہے کم سوادوں سے
کہ جو تیشہ اُٹھا لیتا ہے وہ فرہاد ہوتا ہے

نامعلوم

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

فیض

لحد پہ چلنے والے تھم کہ ہم کچھ کہہ نہیں سکتے
زمیں رکھتی ہے منہ پر ہاتھ جب فریاد کرتی ہیں

ثاقبؔ لکھنوی

میری قید کا دل شکن ماجرا تھا
بہار آئی تھی آشیاں بن چکا تھا

ثاقبؔ لکھنوی

توبہ ہر وقت زباں پر ہے الٰہی توبہ!
ایسا کیا حضرتِ زاہد سے بُرا کام ہوا

بیخودؔ دہلوی

شبِ اُمّید بن کر آج شاید رات آئے گی
کسی نے مسکرا کر سُن لیا ہے مدعا میرا

بیخودؔ

اُف رے بیدرد پڑھ کے سارا خط!
کہہ دیا یہ نہیں ہمارا خط!

آرزوؔ لکھنوی

اِک اتنے سہارے پہ فقط رات گزاری
ہم چاند کو سمجھا کئے تصویر تمہاری

رُسواؔ

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشمِ تر سے مینہ نہ برساتی
مظہر دہلوی

میری اسیری پہ شاخِ گل نے یہ کہہ کے صیّاد کو رُلایا!
کہ ایسے پُرسوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ!
شورش کاشمیری

تیرے بیمار کے سرِ بالیں
موت کیا کیا شفا سے لڑتی ہے
فراق

جاؤ بھی کیا کرو گے مہر و وفا
بارہا آزما کے دیکھ لیا
داغ

بد دعا سن رہی ہے کیوں شبِ غم
سامنے سے چلی نہیں جاتی
داغ

تم دور تھے نظر سے اور چاندنی کھلی تھی
آنکھوں سے رات پیہم ٹوٹا کیے ستارے
پریم پجاری

سنا ہو تم نے شاید میرے ہمسایوں میں چرچا ہے
کہ اکثر رات کو رونے کی اک آواز آتی ہے

عندلیب شادانی

نہ رات کی خاطر ہے نہ برسات کی خاطر
پی لیتا ہوں تجزیۂ حالات کی خاطر

بیدم وارثی

وہی رات میری وہی رات اُن کی
کہیں بڑھ گئی ہے کہیں گھٹ گئی ہے

ثاقب لکھنوی

یہ بھی اک ستم تھا کہ خواب میں مجھے شکل اپنی دکھا گئے
کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو وہ اسطرح سے جگا گئے

جعفر علی حسرت

آ اے گلِ فسردہ لگا لوں تجھے گلے
تو بھی تو میری طرح لٹا ہے شباب میں

سیماب

پاؤں پڑ کر کہتی ہے زنجیر، زنداں میں رہو
وحشتِ دل کا ہے ایما، راہِ صحرا لیجئے

اکبر

خدایا ہم سے خود داروں کی آخر کیا ضرورت تھی
تیری دنیا سراپا بندگی معلوم ہوتی ہے

نظر حیدرآبادی

یہ پوچھ رسم وفا سے ہے کون کون آگاہ!
دیارِ عشق کیں اے دل کسی کی ذات نہ پوچھ

نظیر لدھیانوی

اگر تو نے اختر محبّت نہیں کی
تو کمبخت اس حال کو کیسے پہنچا

اختر انصاری

اے چشم نازنیں تیری پرسش کا شکریہ
میں کیا بتاؤں درد کہاں ہے کہاں نہیں

آباد

بیمارِ عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج
کچھ اے طبیب تو ہی کہہ پھر تیرا کیا علاج

ذوق

بہت پسند تیرا رنگ ہے مجھے لیکن
بقا نہیں تجھے اے موسم بہار افسوس

اکبر

نگاہیں مل گئی تھیں میری ان کی رات محفل میں
یہ دنیا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہو کر
اکبر

تو برقِ حسن اور تجلّی سے یہ گریز
میں خاک اور ذوقِ تماشہ لئے ہوئے
اصغر

اکثر تیرے دیار سے گزرے ہیں یوں بھی ہم
جیسے تیرے خیال سے کچھ کام ہی نہیں
خاور

رند جو ظرف اُٹھالیں وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے
اصغر

ہائے سیماب اس کی مجبوری
جس نے کی ہو شباب میں توبہ
سیماب

لالہ و گُل پہ جو ہے قطرۂ شبنم کی بہار
رُخِ رنگیں پہ جو آجائے تو حیا ہو جائے
اصغر

کیا کیا ہوا ہنگامِ جنوں یہ نہیں معلوم،
کچھ ہوش جو آیا تو گریباں نہیں دیکھا
اصغر

آہوں نے میری خرمنِ ہستی جلا دیا
کیا مُنہ دکھاؤں گا تیری برقِ نظر کو مَیں
اصغر

رُودادِ چمن سُنتا ہوں اس طرح قفس میں
جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا
اصغر

کیا میرے حال پہ سچ مچ اُنہیں غم تھا قاصد
تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی
اصغر

تم رات کو کہاں تھے تمہاری تلاش میں
پھرتا تھا کوئی ڈھونڈنے والا اِدھر اُدھر
داغ

تھے اِسی پر نباہ کے دعوے
سر تو اُسے شوخِ بے حجاب اُٹھا
حسرت موہانی

چلے ہو غریبوں سے رنجور ہو کر
ابھی لوٹ آؤ گے مجبور ہو کر

عدم

حال مجھ غم زدے کا جس جس نے
جب سُنا ہو گا رو دیا ہو گا

میر درد

اسیر طوق و سلاسل کو پیار کرتے رہے
جو بس میں تھا وہ جنوں اختیار کرتے رہے

شوکت واسطی

نکل کے دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ مے خانہ
تو ٹھکرائے ہوئے انساں خدا جانے کہاں جاتے

قتیل شفائی

وہ شمع جس آگ میں جلتی ہے نمائش کے لئے
ہم اسی آگ میں گمنام سے جل جاتے ہیں

قتیل شفائی

تم کو ہے وصلِ غیر سے انکار
اور جو ہم نے آ کے دیکھ لیا

داغ

ساتھ لا کر وہ رقیبوں کو یہ فرماتے ہیں
کیا سبب تھا جو مجھے تُو نے بُلایا تنہا

کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عمر
ہم سے اظہارِ مدّعا نہ ہوا

جینا بھی آ گیا مجھے مرنا بھی آ گیا
پہچاننے لگا ہوں تمہاری نظر کو مَیں

دَیر و حرم بھی منزلِ جاناں میں آئے تھے
پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے حسرت
ان سے مِل کر بھی نہ اظہارِ تمنّا کرنا

جس فراغت کا تمنّائی تھا میں تیرے لئے
اب وہ حاصل ہے تو اِک آزار ہے تیرے بغیر

غمِ زمانہ اِدھر آ گلے لگائیں تمہیں
مسرتوں کا تو اِک عمر انتظار ہوا
ضمیر جعفری

غم نہیں اس کا کہ اِک میرا نشیمن جل گیا
اس کا غم ہے آگ صحنِ گلستاں تک آ گئی
ضمیر جعفری

مائلِ شوق مجھے پا کے وہ بولے ہنس کر
دیکھو تم نے جو چھوئے آج ہمارے گیسو
حسرت موہانی

روش روش پہ چمن کے بجھے بجھے منظر!
یہ کہہ رہے ہیں یہاں سے بہار گزری ہے
شوکت واسطی

غلط کرو غمِ نا بے محابا کہیں حوادث نہ دیکھ پائیں
نظر بچا کر اٹھاؤ ساغر کہ زندگی جرم بن گئی ہے
شوکت واسطی

کب امتیازِ عشق و ہوس جانتے ہیں لوگ
ہم سے کبھی تو مل کہ بُرا مانتے ہیں لوگ
محسن احسان

زندگی اک حسن تھی لیکن بقدرِ آرزو
ہم جہاں تک لا سکے دنیا وہاں تک آ گئی

ضمیر جعفری

اپنی تکمیل کر رہا ہوں مَیں!
ورنہ تجھ سے تو مجھ کو پیار نہیں

فیضؔ

تمہاری ہر نظر سے منسلک رشتۂ ہستی
مگر یہ دُور کی باتیں کوئی نادان کیا سمجھے

فیضؔ

ایک لمحہ بھی مسرّت کا بہت ہوتا ہے
لوگ جینے کا سلیقہ ہی کہاں رکھتے ہیں

ضمیر جعفری

عیاں ہو کر بھی میرا غم میرے دل میری جاں تک ہے
کہ دُنیا کی رسائی صرف اندازِ بیاں تک ہے

ضمیر جعفری

ہم سے حالات کے سینے کی خراشیں پوچھو
ہم کہ غافل ہیں مگر دلِ نگراں رکھتے ہیں

ضمیر جعفری

اشکِ خوں آلودہ آنکھوں میں نمایاں ہو گیا
دیکھتے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہو گیا

اکبر

در در کی جبکہ زندگی نے خاک چھان لی
آخر پلٹ کے کوچۂ قاتل میں آ گئی

عارف بٹالوی

اُلجھی باہوں میں دھڑکتے ہوئے دل کا نغمہ
بہکی سانسوں میں حیا خود ہی پگھل جاتی ہے

صدیق کلیم

جو تیرے ساتھ میرے غمگسار گزری ہے
وہ رات میری بڑی بیقرار گزری ہے

شوکت واسطی

جنون و عشق سے آگے کوئی مقام بتا
کہ ان حدوں سے خرد بار بار گزری ہے

شوکت واسطی

شبنم کے گرتے اشکوں سے ہر چیز کا دامن بھیگ گیا
میں ہلکوں کہ سُلگتا جاتا ہوں میں ہوں کہ بھڑکتا جاتا ہوں

شوکت رضوی

جان دے دی غمِ حسیناں میں
حق ادا کر دیا جوانی کا

اکبر

کون سوچے گا غمِ ہجر کی تلخی کا علاج
کون دیکھے گا ترے بعد سحر کی صورت

نسیم شاہجہانپوری

وہ جس کے فیض سے منزل قریب ہو جائے
اسی چراغِ سحر راہ گزر کی بات کرو

ظفر علی کوثر

جسے بھی چاہا وہی پھول بن گیا کانٹا
یہ سوچتا ہوں کہ پھیلاؤں میں کہاں دامن

اعجاز ساجد

لاجواب ہے

یوں تو کہنے کو کھلی ہیں میری آنکھیں لیکن
کچھ دکھائی نہیں دیتا تیری صورت کے سوا

صغیر احمد صغیر

دلبری، فتنہ گری، سحر، شرارت، شوخی
تیری آنکھوں میں سبھی کچھ ہے مروت کے سوا

صغیر احمد صغیر

تنہا نہ پی کہ مشربِ رنداں میں ہے حرام
دو چار بندگانِ خدا کو بُلا کے پی

صغیر

کوئی موقع نکل آئے کہ بس آنکھیں ملجائیں
راہیں پھر آپ ہی کرلے گی جوانی پیدا

اکبر

دل توڑ کے جانے والے سُن دو اور بھی رشتے باقی ہیں
اِک سانس کی ڈوری اٹکی ہے اِک پریم کا بندھن رہتا ہے

قیوم نظر

آنسو بہا کہ خونِ جگر اے دلِ حزیں
جنگل کی آگ اوس کے بس کی نہیں نہیں

شہرت بخاری

ہم کو سجدوں سے احتراز نہیں
مِٹ نہ جائیں تمہارے نقشِ قدم

حفیظ اثر

دشت پھیلاتا ہے دامانِ طلب
ابر دریا پہ برس جاتے ہیں

شہرت بخاری

تخلیقِ کائنات کے دلچسپ جُرم پر
ہنستا تو ہوگا آپ بھی یزداں کبھی کبھی

عدمؔ

ہوئی اگر مشتہر محبت نہ طنز فرما میرے جنوں پر
تیری جوانی کی داستاں بھی تو انجمن انجمن گئی ہے

شوکت واسطی

کیا کیا نہ ہم نے خاک اُڑائی جہان میں
آخر پلٹ کے کوچۂ جاناں میں آ گئے

شوکتؔ رضوی

پھر پلٹ کر نگاہ نہیں آتی
تجھ پہ قربان ہو گئی ہو گی

سیفؔ

تم ذرا بام پہ بے پردہ تو آکر دیکھو!
اہلِ دِل کی ابھی پہچان ہوئی جاتی ہے

ضیاؔ وارثی

میں اُن کی بزم سے اُٹھ آیا قبلِ دورِ شراب
مخلِ شرم تھا کہتا کہ میں نہیں پیتا

اکبرؔ

اُٹھائے نازِ کسے دھو کے ہیں ہیں نے ستم برسوں
وفا کا قحط تھا جیتا رہا کھا کھا کے غم برسوں

سرِ راہِ کہیں تو کوئی اہلِ دل بھی مِل جاتا
کیا میں نے طوافِ کوچۂ دَیر و حرم برسوں

ولی اللہ بہرِ نام بننا بھی نہیں آساں
اُٹھانے پڑتے ہیں اس راہ میں رنج و الم برسوں

میر ولی اللہ

ہزار اور نئے درد جاگ اُٹھتے ہیں
جو ایک پل بھی میسّر ہو تیرے غم سے فراغ

اعجاز ساجد

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

اکبر

لہو میں ڈوبی ہوئی زندگی کے افسانو!
کب آئے گی نئے عنواں سے آرزو پہ بہار

الطاف پرواز

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیئے اپنی جبیں سے
انور دہلوی مرحوم

خزاں تو موردِ الزام ہی سہی لیکن
بہ فیضِ بادِ صبا بھی تو گل کہیں نہ کھلے
حفیظ اثر

یہ کیا کہ وہ بھی نہ بہلا سکے میرے دل کو
یہ کیا کہ اُن کی ملاقات بھی نہ راس آئی
حفیظ اثر

بے سبب تو نہیں ہے یہ پریشانیٔ دل
جانے کس بات کو محسوس کیا ہے میں نے
حفیظ اثر

بصد خلوص ہر اک غم کو ہم نے اپنایا
مگر یہ صورتِ حالات بھی نہ راس آئی
حفیظ اثر

ہوا کی چھیڑ سے پُرچیں جو رُدِ آب ہوتا ہے
تو عکسِ ماہ پارے کی طرح بے تاب ہوتا ہے
سید وہاج الدین

کیوں سب کی نظر سے گر رہا ہوں
مجرم تھا نگاہِ دوستاں تک

اعجاز ساجد

آ اے غمِ دوراں دَرِ میخانہ ہے نزدیک
آرام سے بیٹھیں گے ذرا بات کریں گے

عدمؔ

جنّت میں نہ مے ہے نہ محبّت نہ جوانی
کس چیز پہ انساں بسر اوقات کریں گے

عدمؔ

مصلحت نے زباں کو روک دیا
یاد آئی تھی کوئی بات مجھے

عدمؔ

پہلے بڑی رغبت تھی ترے نام سے مجھکو
اب سُن کے ترا نام مَیں کچھ سوچ رہا ہوں

عدمؔ

محشر کا خیر کچھ بھی نتیجہ ہو اے عدمؔ
کچھ گفتگو تو کھل کے کریں گے خدا کے ساتھ

عدمؔ

تمہیں کچھ علم ہے کہتی ہے دُنیا
مجھے تم سے محبّت ہو گئی ہے

عدؔم

کتنے حسین لوگ تھے جو مِل کے ایکبار
آنکھوں میں جذب ہو گئے دل میں سما گئے

عدؔم

عدؔم تم کو جام و سبُو کیا کہیں گے
یہ برسات یہ مے کشی کا مہینہ

عدؔم

بھنور بھنور ہے اگر تلاطم تو تیرا دل کیوں دھڑک رہا ہے
یہاں کچھ ایسے بھی ہیں سفینے جو سرکشی سے رواں رہینگے

عدؔم

میکدے کے موڑ پہ رُکتی ہوئی
مدّتوں کی تشنگی تھی میں نہ تھا

عدؔم

ملاقاتیں مسلسل ہوں تو دلچسپی نہیں رہتی
یہ بے ترتیب یارانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

عدؔم

نشیمن مرتب کیے جا رہے ہیں
کہ تعظیمِ برق و شرر ہو رہی ہے
عدمؔ

بیجا ہے کم و بیش کی ساقی سے شکایت
مے اُتنی ہی دی جتنا تھا پیمانہ کسی کا
بیدمؔ وارثی

اِتنا تو جذبِ عشق نے بارے اثر کیا
اس کو اب ملال ہے میرے ملال کا
برقؔ لکھنوی

معذور ہوں جو پاؤں میرا بے طرح پڑے
تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو، میں نشے میں ہوں
میرؔ تقی

کہہ کے وہ اُٹھ گئے کہ مشکل ہے
سہل کرنا تمہاری مشکل کا
جلالؔ لکھنوی

اندازۂ طلب سے دیا بڑھ کے جب دیا
کم حوصلہ ہمیں ہیں وہاں کچھ کمی نہیں
جلالؔ لکھنوی

وہ دردِ طلب ہوں کہ تیری راہ میں میں نے
کانٹا نہ کبھی آبلۂ پا سے نکالا

ماہ لکھنوی

ہر دم صدا یہی ہے تیرے داد خواہ کی
مارا نظر نے رہ گئی حسرت نگاہ کی

صغیر

اس طرفہ نگاہی پہ کبھی غور کیا ہے
آئینہ مقابل ہو تو پڑتی ہے نظر اور

آلِ رضا

تھی رات کی جو بات رہی رات کے دم تک
اب وقت کہاں ہے کہ جلے شمع سحر اور

آلِ رضا

دُور ہوتی چلی گئی منزل
ہم مگر راستہ بدل نہ سکے

ارم لکھنوی

تھا ہمیں بھی پارسائی پر غرور
چاندنی راتیں شرابی کر گئیں

عارف بٹالوی

گری برق گلشن پہ پھیلا کے دامن!
کہ تنکا بھی ضائع نہ ہو آشیاں کا

عارف بٹالوی

ایسی تو بے لحاظ نہ تھی وہ ستم ظریف!
اسے زیست تو نے موت سے کچھ کہہ دیا نہ ہو

عدمؔ

گلہ نہیں ہے تمہارے سلوک کا لیکن
یونہی کبھی کبھی دل میں خیال آتا ہے

عدمؔ

موت سے زیست کا شعلہ کہاں بجھتا ہے عدمؔ
صرف احساس کو اک نیند سی آجاتی ہے

عدمؔ

میری داستاں کچھ تو رنگین ہوگی
کوئی شامل داستاں ہو رہا ہے

عدمؔ

وہ اس انداز سے کچھ کہہ گئے ہیں
کہ شکوے مسکرا کر رہ گئے ہیں

عدمؔ

کہتے ہیں عمرِ رفتہ کبھی لوٹتی نہیں
جا میکدے سے میری جوانی اُٹھا کے لا
عدمؔ

دل میں تمہارا درد تو اُٹھا
لب پہ تمہارا نام تو آیا
عدمؔ

میرے محبوب تیری زلف پریشاں کیوں ہے
اتنا بے رحم مزاجِ غمِ دوراں کیوں ہے
عدمؔ

کاروانوں کو لوٹنے کے لئے
رہزنوں نے دیئے جلائے ہیں
عدمؔ

گماں نہ کر کہ مجھے جرأتِ سوال نہیں!
فقط یہ ڈر ہے تجھے لاجواب کر دوں گا
عدمؔ

عدمؔ خلوص کے بندوں میں ایک خامی ہے
ستم ظریف بڑے جلد باز ہوتے ہیں
عدمؔ

ناخدا کس لئے پریشاں ہیں
بس یہی نا کہ ڈوب جائینگے

علامہ

صیّاد میرے دم سے ہیں سارے یہ چہچہے
جب میں نہیں تو رونقِ گلزار بھی نہیں

جگر

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سِوا نہیں ہوتا

مومن

مانگا کریں گے اب سے دُعا ہجرِ یار کی
آخر تو دُشمنی ہے اثر کو دُعا کے ساتھ

مومن

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیّاد کی نگاہ سُوئے آشیاں نہیں

مومن

اِتنی بھی بُری ہے بے قراری
اب آپ سے اُنس کم کرینگے

شیفتہ

مرگِ عاشق تو کچھ نہیں لیکن
اِک مسیحا نفس کی بات گئی

جگرؔ

گلشن بہار پر تھا نشیمن بنا لیا
میں کیوں ہوا اسیر، مرا کیا قصور تھا

ثاقبؔ لکھنوی

دیکھیں گے ہم بھی کون ہے سجدہ طرازِ شوق
لے سر اُٹھا رہے ہیں ترے آستاں سے ہم

اسرار الحق مجازؔ

ٹھکرا نہ یوں جبینِ محبت کو، رحم کر
لے جائیں گے اُٹھا کے ترا آستاں کہاں

ساغرؔ نظامی

تا عرضِ شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اِک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دُور

زمانے بھر نے ٹھکرایا ہے ہم کو
اُٹھا دو تم بھی اپنے آستاں سے

مخمورؔ جالندھری

سر سیکڑوں جہاں میں سروں کی کمی نہیں
اُس آستاں کی خیر ہو وہ آستاں رہے

حفیظ جالندھری

یہ تو خبر نہیں کہ لُٹا دل کہاں، مگر
سُنتا ہوں راستے میں تیرا آستاں بھی تھا

نازش پرتاپ گڑھی

کروں گا عمر بھر طے راہِ بے منزل محبت کی
اگر وہ آستاں اس راہ کی منزل نہ بن جائے

تاجور نجیب آبادی

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

میر

کوئی ہو محرمِ شوخی تیرا تو میں پوچھوں
کہ بزمِ عیشِ جہاں کیا سمجھ کے برہم کی

تجھ سے ظالم کے پاس میں آیا
جان کا میں نے کچھ خطر نہ کیا

درد

کسی طرح جو نہ اس بُت نے اعتبار کیا
میری وفا نے مجھے خوب شرمسار کیا
داغ

کیا صبا کوچۂ دلدار سے تُو آئی ہے
مجھ کو اپنے دلِ گم گشتہ کی بُو آئی ہے
داغ

کل تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ بس اغیار پا گئے
مومن

نہ بول میرؔ سے مظلومِ عشق ہے وہ غریب
اگر وہ آہ کرے سب جہان جل جائے
میرؔ

آگئی ہے ترے بیمار کے منہ پر رونق
جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا
فانیؔ بدایونی

محبت میں اِک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی
فانیؔ

اِس عشق کی تلافیِ مافات دیکھنا
رونے کی حسرتیں ہیں جب آنسو نہیں رہے
جگرؔ

پھر کس سے یہ شکوۂ شبِ ہجراں ہیں رہ گئے
کام آج کہیں آہِ فلک سوز نہ کر جائے
مجروحؔ

تھک کے بیٹھوں تو یہ کہتا ہے جنوں
دو قدم کوچۂ رُسوائی ہے!
جلیلؔ مانکپوری

گر ہے یہی بہار کی شورش تو ناصح!
مجھ سے نہ ہو سکے گی گریباں کی احتیاط
جعفر علی حسرتؔ

نشانی ہم نے رکھ چھوڑی ہے اِک اگلی بہاروں کی
بہار آئی گلے میں ڈال لی دھجّی گریباں کی
بیخودؔ دہلوی

کیسا کیسا قفس سے سر مارا
موسمِ گُل میں ہم رہا نہ ہوئے
میرؔ

غرور کیوں نہ ہو جب دل سی چیز ہاتھ آئے
بڑا غرور تیری زلفِ مشکبو نے کیا
داغ

خاموشیوں کا رازِ محبت وہ پا گئے
گو ہم سے عرضِ حال کی جرأت نہ ہو سکی
حسرت

جب میں چلتا ہوں تیرے کوچے سے کترا کر کبھی
دل مجھے پھیر کے کہتا ہے اِدھر کو چلتے
میر حسن دہلوی

یہ کہتی ہیں ہم سے جفائیں تمہاری
نہیں باز آئیں وفائیں تمہاری
جلال

کہاں کہاں دلِ مشتاقِ دید نے یہ کہا
وہ چمکی برقِ تجلّی وہ کوہِ طور آیا
داغ

لب تک آئی تھی شکایت کہ محبّت نے کہا
دیکھ پچھتائے گا خاموش یہ دستور نہیں
داغ

عقل سے راہ جو پوچھی تو پکارا یہ جنوں
وہ تو بھٹکی ہوئی خود پھرتی ہے رہبر ہم ہیں

شاد عظیم آبادی

یہ کہہ کر دیا اُس نے دردِ محبّت!
جہاں ہم رہیں گے یہ ساماں ہوگا

جگرؔ

رہ رہ کے جیسے کان میں کہتا ہے یہ کوئی
ہونگے قفس میں کل جو ہیں آج آشیانے میں

مرزا یگانہ

اس بزم سے آزردہ نہ آئے گی محبّت
آئینِ وفا مدِّ نظر لے کے گئی ہے

حسرت موہانی

تمنّا نے کی خوب نظارہ بازی
مزا دے گئی حسن کی بے شعوری

حسرت موہانی

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

غالبؔ

کبھی کی تھی جو اب وفا کیجئے گا
مجھے پوچھ کر آپ کیا کیجئے گا
حسرت موہانی

یہ میکشی ہے تو پھر شانِ میکشی کیا ہے
بہک نہ جائے جو پی کر وہ مے ہی کیا ہے
جگر

کس تجاہل سے وہ کہتا ہے کہاں رہتے ہو
تیرے کوچے میں ستمگار تیرے کوچے میں
شیفتہ

اُن کو بے تاب کیا، کچھ نہ کیا نالۂ دل
یہ تو کچھ بھی نہ ہوا، یہ تو اثر کچھ بھی نہیں
داغ

کل تک یہی گلشن تھا صیّاد بھی بجلی بھی
دنیا ہی بدل دی ہے تعمیرِ نشیمن نے
فانی بدایونی

جب میکدہ چھٹا تو پھر کیا جگہ کی قید
مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو
غالب

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنّت کو کیا کرے کوئی
غالب

کیا ہے تازہ نخلِ غم کو آہیں سرد بھر بھر کر
بڑی محنت سے میں نے یہ ثمر جاڑے میں پالا ہے
امانت لکھنوی

ادھر آؤ اس بات پر بوسے لے لوں
مرے سر کی جھوٹی قسم کھانے والے
داغ

اب کے جو تیرے کوچے سے جاؤں گا تو سُنیئے
پھر جیتے جی اس راہ یہ بدنام نہ آیا
میر

سمجھے ہیں ہم تو میر کو عاشق اُسی گھڑی
جب سُن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا
میر

جتاؤں دردِ محبّت تو کس ادا سے کہے
کرو نہ مجھ سے یہ باتیں دوانہ پن کی سی
جرأت

عرضِ وفا پر دیکھنا اُس کی ادائے دلفریب!
دل میں کچھ اعتبار سا آنکھوں میں کچھ ملال سا

داغ

غم ہائے روزگار سے ممکن نہیں گریز
یہ بھی تیرے ستم میں سموئے ہوئے سے ہیں

فانی بدایونی

نین سے نین جب ملائے گیا
دل کے اندر میرے سمائے گیا

ابرو دہلوی

میرا جی جلتا ہے اس بلبلِ بےکس کی غربت پر
کہ جس نے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیاں اپنا

مرزا جان جاناں مظہر

ہم گرفتاروں کو اب کیا کام ہے گلشن میں لیک
جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آئی ہے بہار

مظہر

کہتے ہیں سبھی مہرِ بتاں خوب نہیں ہے
سُنتا ہی نہیں یہ دلِ گمراہ کسی کا

شاہ حاتم

ہم بے کسی پہ اپنی نہ روئیں تو کیا کریں
دل سا رفیق ہائے اپنا جدا ہوا ہے

میر عبدالحی تاباںؔ

کس کس طرح کی دل میں گذرتی ہیں حسرتیں
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار میں

تاباںؔ

کہتے ہیں اثر ہیگا رونے میں یہ ہیں باتیں!
اِک دن بھی نہ یار آیا روتے ہی کٹیں راتیں!

تاباںؔ

پھر بہار آئی ہے دیوانے کی تدبیر کرو
ہے خبر کیا ہے شتابی اسے زنجیر کرو

تاباںؔ

دل کہیں دیدہ کہیں جی ہے کہیں جان کہیں
گردشِ چرخ میں ہر ایک ہے آوارہ سا

محمد امان نثارؔ

دی آگ رنگِ گُل نے وا رے صبا چمن کو
یا ہم جلے قفس میں سُن حال آشیاں کا

میرؔ

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

میرؔ

بلبل کو مُوا پایا پھولوں کی دُکاں پر کل
اس مُرغ کے بھی جی کیا شوق چمن کا تھا

میرؔ

جُدا جُدا پھرے ہے میرؔ سب سے کس خاطر
خیال ملنے کا اُس کے اگر نہیں رکھتا

میرؔ

سخت کافر تھا جس نے پہلے میرؔ
مذہبِ عشق اختیار کیا

میرؔ

دامن پہ آج میرؔ کے داغِ شراب ہے
تھا اعتماد ہم کو بہت اِس جوان پر

میرؔ

ایک سب آگ ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

میرؔ

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا!

میرؔ

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہُوا ہے چراغ مفلس کا

میرؔ

کچھ کرو فکر مجھ دِوانے کی
دھوم ہے پھر بہار آنے کی

میرؔ

واعظِ ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میرؔ
آؤ میخانے چلیں تم کس کے کہنے پر گئے

میرؔ

سوداؔ جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وُہ!
کیا جانئے تو نے اُسے کس حال میں دیکھا

سوداؔ

کہے ہے سُن کے میری سرگذشت وہ بیرحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

سوداؔ

سودا تیری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ہے سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

سودا

جس روز کسی اور پہ بیداد کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے

سودا

دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا
آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا

شیخ قائم الدین قائم

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ
دل میں اُس شوخ کے تو راہ نہ کی

خواجہ احسن اللہ بیان

بیوفا تیری کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

اثر

مر تو چلے کہاں تلک اب در گزر کریں
یا ہم نہیں اس راہ میں یا آسماں نہیں

اثر

راہ پر اُن کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

اثرؔ

ہر چند جی میں ٹھہری پھر ہم ادھر نہ آئیں
آخر نہ رہ سکے ہم بے اختیار آئے

اثرؔ

مصحفیؔ عشق کی وادی میں سمجھ کر جانا
آدمی جائے ہے اس راہ میں اکثر مارا

شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ

مجھ کو پامال کر گیا ہے یہی
یہ جو دامن اُٹھائے جاتا ہے

مصحفیؔ

پھر چھیڑا حسنؔ نے اپنا قصّہ
بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

خواجہ میر حسن میرؔ

شبنم کی طرح سیرِ چمن بھی ضرور ہے
رو دھو کے ایک رات یہاں بھی گزاریئے

حسنؔ

دلِ وحشی کی خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی
دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

جرأتؔ

ساقی لڑائیوں سے تیری چاہتا ہے جی
باہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں

ذوقؔ

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ذوقؔ

بوئے گُل نالۂ دِل دُودِ چراغِ محفل
جو تیری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا

غالبؔ

جو کچھ ہوتا سو ہوتا تُو نے تقدیر
وہاں تک مجھ کو پہنچایا تو ہوتا

ظفرؔ

صبر مشکل ہے نہ کر صبر کا دعوےٰ ہرگز
عشق میں تجھ سے ظفرؔ یہ کبھی ہونے کا نہیں

ظفرؔ

فرقت قبول رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم، رقیب تیری انجمن میں ہے

ناسخ

بُتوں کو چاہ کے ہم تو عذاب ہی میں رہے
شبِ فراق گئی، روزِ انتظار آیا

مرزا رحیم الدین حیاؔ

میری نمازِ جنازہ پڑھائی غیروں نے
مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے

آسی

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

آتش

اسیر اس تغیر پہ خوش ہو لئے
کہ جلاد آئے ہیں قاتل گئے

افضل پرویز

نگاہیں اٹھیں اور ٹکرا گئیں
نظر سے نظر دل سے دل مِل گئے

یوسف ظفر اعجازی

خیاباں خیاباں ہیں ویرانیاں
بیاباں بیاباں چمن کھل گئے

بیتاب زبیری

سرِ شام رُخ پہ مچلتی ہے زلف
شب و روز باہم گلے مل گئے

ضیط قریشی

اس ابر میں یار سے جدا ہوں
بجلی کی طرح تڑپ رہا ہوں

ناسخ

تم کو آتا ہے پیار پر غصّہ
مجھ کو غصّے پہ پیار آتا ہے

امیر مینائی

تمنّاؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں
دلِ مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

شاد عظیم آبادی

دے کے ساغر مجھے کس لطف سے ساقی نے کہا
دیکھتے جاؤ ابھی ہم تمہیں کیا دیتے ہیں

شاد

عشق میں سہل تھی فرہاد کی تقلید، مگر
یہ میری ہمتِ عالی کو گوارا نہ ہوا

ثاقب لکھنوی

غنیمت ہے قفس فکرِ رہائی کیا کریں ہمدم
نہیں معلوم اب کیسی ہوا چلتی ہے گلشن میں

ثاقب لکھنوی

کوئی حسیں ہو ہمیں اک نگاہ کر لینا
جگر کو تھام کے چپکے سے آہ کر لینا

حافظ جلیل حسن جلیل

اب اس کو پردہ دری سمجھو یا کچھ اور کہو
تمہارے حسن کا چرچا ضرور میں نے کہا

جلیل مانکپوری

اس شان سے وہ آج پئے امتحاں چلے
فتنوں نے پاؤں چوم کے پوچھا کہاں چلے

جلیل مانکپوری

کہہ گیا آج وہ بیداد گلے مِل کے جلیلؔ
ہم نہ واقف تھے تیرے دردِ جگر سے پہلے
جلیلؔ

دِلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
تیرے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے
سید فضل الحسن

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے
سید فضل الحسن

ایک دل ہے اور طوفانِ حوادث اے جگرؔ
ایک شیشہ ہے کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں
جگرؔ

بے محابا ہو اگر حُسن تو وہ بات کہاں
چھپ کے جس شان سے ہوتا ہے نمایاں کوئی
اصغرؔ

لطفِ بہار کچھ نہیں ہے گو ہے وہی بہار
دل کیا اُجڑ گیا کہ زمانہ اُجڑ گیا
آرزوؔ لکھنوی

ضبطِ غم بے سبب نہیں جذبی
خلشِ دل بڑھا رہا ہوں میں

معین احسن جذبی

محشر میں اتفاق سے آیا نہ ذہن میں
ورنہ تمام عمر تیرا نام یاد تھا

عدم

کتنی عجیب شے ہے محبت کی سادگی
دنیا سے کہہ رہا ہوں تمہاری شکایتیں

عدم

یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں
یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانندِ جام مے!
یا تھوڑی دور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں

میر تقی میر

چمن سے جاتے ہوئے کیوں ٹھہر گئی ہے بہار
تمہاری زلفِ پریشاں میں کوئی پھول نہ ہو

عدم

دل غم سے ترے لگا گئے ہم
کس آگ سے گھر جلا گئے ہم
ماتم کدۂ جہاں میں جُوں شمع
رو رو کے جگر بہلا گئے ہم

میر حسن

خاک چمن میں شبنم و گل کا عجب ہے رنگ
ساغر کسی سے چھوٹ پڑا ہے شراب کا

جلیل

محفل کے بیچ سُن کے میرے سوزِ دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

تاباں

دُور سے آئے تھے ساقی سُن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم
مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

نظیر اکبر آبادی

جب سے بلبل تو نے دو تنکے لئے
ٹوٹتی ہیں بجلیاں اُن کے لئے
امیر مینائی

باغباں کلیاں ہوں ہلکے رنگ کی
بھیجنی ہیں ایک کم سن کے لئے
امیر مینائی

کیا ہوں ترکِ نرگس کا تماشہ
طلب گارِ نگاہِ باحیا ہوں
ولی دکنی

نہ ہووے اُسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے
ولی دکنی

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج ان کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں
ولی دکنی

اِک سر پہ خاک ڈالنی باقی رہی ہے سو
دیکھو گے شام و صبح کہ میں وہ بھی کر چکا
مصحفی

کسی کو بھیج بھی سکتے نہیں احوال پرسی کو
مگر یہ چپکے چپکے کہتے ہیں ہر بار کیا کیجے
مصحفی

یہی انصاف ہے کچھ سوچو تو دل میں اپنے
تم تو لو کہہ لو میری اک نہ سنو، اور سنو
میر

لو ہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج
غالب

ہے عشق کی منزل میں یہ حال لُٹا کہ جیسے
لُٹ جائے کہیں راہ میں سامان کسی کا
بیدم

کسی نے اس کو سمجھایا تو ہوتا
کوئی یاں تک اُسے لایا تو ہوتا
ظفر

نام میرا سنتے ہی شرما گئے
تم نے تو خود آپ کو رسوا کیا
نسیم دہلوی

بے فائدہ ہے فکر مری چارہ گروں کو
سب زخمِ جگر قابلِ مرہم نہیں ہوتے

نسیم دہلوی

رشک سے نام نہیں لیتے کہ سُن لے کوئی
دل ہی دل میں اُسے ہم یاد کیا کرتے ہیں

نسیم دہلوی

خاک اُڑی عاشق کی تربت سے تو جھنجلا کر کہا
واہ سر چڑھنے لگی پاؤں کی ٹھکرائی ہوئی

امیر مینائی

رات اُس کو بات بات پہ سو سو دیئے جواب
مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

فانی

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بُتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسمان سے

فانی

ہوتی نہیں قبول دُعا ترکِ عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں

فانی

بلائیں لے رہا ہوں اس زمیں کے ذرّے ذرّے کی
لٹا تھا جس جگہ راہِ وفا میں کارواں میرا

محشر لکھنوی

اس کے سُننے کے لئے جمع ہُوا ہے محشر
رہ گیا تھا جو فسانہ میری رسوائی کا

ثاقب

رہا اسیر تو شکوے رہے اسیری کے
رہا ہوا تو مجھے غم ہوا رہائی کا

جلیل

بجلی کی تاک جھانک سے تنگ آگئی ہے جان
ایسا نہ ہو کہ پھونک دوں خود آشیاں کو میں

جلیل

حسرت جو سُن رہے ہیں وہ اہلِ وفا کا حال،
اس میں بھی کچھ فریب تری داستاں کے ہیں

حسرت موہانی

وفا تجھ سے اے بیوفا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

حسرت موہانی

چُپ ہو گئے تیرے رونے والے
دُنیا کا خیال آگیا ہے
فراق

ہزار بار زمانہ اِدھر سے گزرا ہے
نئی نئی سی ہے کچھ تیری رہگذر پھر بھی
فراق

بُلا کر جنھیں تُو نے ٹھکرا دیا
تیری بزم سے وہ بمشکل گئے
ڈاکٹر عبادت بریلوی

جو طوفاں کے رُخ پر ہم اختر چلے
بڑی دُور تک ساتھ ساحل گئے
اختر ہوشیارپوری

چمن ہو کہ صحرا بہار آ گئی
جہاں لے کے ہم اپنی محفل گئے
غاوہ لدھیانوی

سُنانے کے قابل تھی جو بات اُن کو
وہی رہ گئی درمیاں آتے آتے
فراق

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تیری تصویر لئے پھرتے ہیں

بیخود

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح
لگا دے آگ کوئی آشیاں میں

حالی

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکہ تو نہیں مارا، چوری تو نہیں کی ہے

اکبر الہ آبادی

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے
دوپہر کی دھوپ میں میرے بلانے کیلئے
وہ تیرا کوٹھے پہ ننگے پاؤں آنا یاد ہے

حسرت موہانی

چوری چوری ہم سے تم آکر ملے تھے جس جگہ
مدتیں گزریں پر اب تک وہ ٹھکانا یاد ہے

حسرت موہانی

شوق میں مہندی کے وہ بیدست و پا ہونا تیرا
اور میرا وہ چھیڑنا وہ گدگدانا یاد ہے

حسرتؔ موہانی

تسلیم مجھ کو خانۂ کعبہ کی منزلت
سب کچھ سہی مگر وہ تیرا آستاں نہیں

اصغرؔ

یہاں کوتاہیٔ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

اصغرؔ

نہ جانے آہ، کہ اُن آنسوؤں پہ کیا گذری
جو دل سے آنکھ تک آئے مژہ تک آ نہ سکے

جگرؔ

وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں
مگر دل ہے کہ ڈوبا جا رہا ہے

جگرؔ

سوزِ غم دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کشمکشِ دہر سے آزاد کیا

جوشؔ ملیح آبادی

اِک عمر کٹ گئی ہے تیرے انتظار میں!
ایسے بھی ہیں کہ کٹ نہ سکی جن ایک رات
فراقؔ

کچھ ایسی بھی گزری ہیں تیرے ہجر میں راتیں
دل درد سے خالی ہُوا مگر نیند نہ آئے
فراقؔ

کوئی دوا نہ دے سکے مشورہِ دُعا دیا
چارہ گروں نے اور بھی درد کا دل بڑھا دیا
حفیظؔ جالندھری

نغمے سے جب پھُول کھِلیں گے چُننے والے چُن لینگے
سُننے والے سُن لیں گے تو اپنی دُھن میں گاتا جا
حفیظؔ جالندھری

بُتوں کو قول دیتا ہوں وفا کا
قسم اپنے خدا کی کھا رہا ہوں
حفیظؔ جالندھری

مجھے دل کی خطا پر یاسؔ شرمانا نہیں آتا
پرایا جرم اپنے نام لِکھوانا نہیں آتا
مرزا یاسؔ یگانہ

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے

فیض احمد فیضؔ

نہ گُل کھلے ہیں نہ اُن سے ملے نہ مے پی ہے
عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے
چمن پہ غارتِ گلچیں سے جانے کیا گزری
قفس سے آج صبا بے قرار گزری ہے

فیضؔ

لبالب جام پھر ساقی نے واپس لے لیا مجھ سے
نہ جانے کیا کہا میں نے نہ جانے کیا ہوا مجھ سے

اخترؔ شیرانی

میسّر جس سے آجاتی تھی ساقی کی قدم بوسی
مقدّر میں نہیں وہ لغزشِ مستانہ برسوں سے

عبدالمجید سالکؔ

تجھے کچھ عشق و اُلفت کے سوا بھی یاد ہے اے دل
سُنائے جا رہا ہوں ایک ہی افسانہ برسوں سے

سالکؔ

وہی دُکھڑا ہے فرقت کا وہی جھگڑا ہے اُلفت کا
تجھے اے داغؔ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے
داغؔ

مے ہو ساغر میں کہ خوں رات گزر جائے گی
دل کو غم ہو کہ سکوں رات گزر جائے گی
عابدؔ

رات بھر میں نے سجائے سرِ مژگاں تارے
مجھ کو تھا وہم کہ یوں رات گزر جائے گی
عابدؔ

اُنھی کو عرضِ وفا کا تھا اشتیاق بہت
اُنھی کو عرضِ وفا ناگوار گزری ہے
تبسمؔ

کبھی فغاں بھی نشاط و طرب کا افسانہ
کبھی ہنسی بھی تڑپتے ہوئے دلوں کی پکار
تبسمؔ

ہزار بار کسی چشمِ آشنا کی طفیل
اُجڑ اُجڑ کے بسے ہیں محبتوں کے دیار
تبسمؔ

جہاں سُرور میسّر تھا جام و مے کے بغیر
وہ میکدے بھی ہماری نظر سے گزرے ہیں

تبسّم

نظر میں ڈھل کے اُبھرتے ہیں دل کے افسانے
یہ اور بات ہے دُنیا نظر نہ پہچانے

تبسّم

وُہ بزم دیکھی ہے میری نگاہ نے کہ جہاں
بغیر شمع بھی جلتے رہے ہیں پروانے

تبسّم

ناکامِ تمنّا دل اِس سوچ میں رہتا ہے
یوں ہوتا تو کیا ہوتا یوں ہوتا تو کیا ہوتا

حسرت

آؤ حُسنِ یار کی باتیں کریں
زُلف کی رخسار کی باتیں کریں

حسرت

اُف وہ معذوریِ نگاہ کہ جب
زندگی بندگی میں ڈھلتی ہے

احسان دانش

لاؤ ایک سجدہ کروں عالمِ بدمستی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغرؔ کو خدا یاد نہیں

ساغر نظامی

✓ ہمارا حال تو دیکھا ہمارا ظرف بھی دیکھ
نگاہ اُٹھتی نہیں غم اُٹھائے جاتے ہیں

ساغر نظامی

✓ صاف ظاہر ہے نگاہوں سے کہ ہم مرتے ہیں
منہ سے کہتے ہوئے یہ بات مگر ڈرتے ہیں

اختر انصاری

عشرتِ رفتہ نے جا کر نہ کیا یاد ہمیں
عشرتِ رفتہ کو ہم یاد کیا کرتے ہیں

اختر انصاری

آج کچھ لوگ وہاں جمع تھے باچشمِ پُر آب
کل جو دُنیا تھی چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

نہالؔ سیوہاروی

زمین کوچۂ جاناں سے آ رہی ہے صدا
بلندیاں نہیں مخصوص آسماں کے لیے

نہالؔ

تسکینِ دلِ محزوں نہ ہوئی وہ سعیِ کرم فرما بھی گئے
اِس سعیِ کرم کو کیا کہئے بہلا بھی گئے تڑپا بھی گئے

نہالؔ

اگر نہایتِ بےچارگی ہے چارہ گری
تو کس اُمید پہ زخمِ جگر کا ذکر کریں

ندیمؔ قاسمی

کشتی تڑپ کے حلقۂ طوفاں میں آ گئی
دیکھو تو کتنی دُور کنارے چلے گئے

سیفؔ

میری داستانِ حسرت وہ سُنا سُنا کے روئے
مجھے آزمانے والے مجھے آزما کے روئے

سیفؔ

کہتے ہیں قصۂ غم ہر انجمن میں جا کر
ہم اہلِ دل بھی کتنے دیوانے ہو گئے ہیں

سیفؔ

چلو آئینہ ہی سہی خیر پھر بھی!
کسی کے مقابل تو ہونے لگے ہو

سیفؔ

اُٹھ اُٹھ کے مریضِ غم نے پوچھا
کیا ہجر کی رات کٹ گئی ہے
سیفؔ

دلِ مرحومِ تمنّا پہ دمکتے ہوئے داغ
جیسے تربت پہ چراغوں کا سماں ہوتا ہے
ظہیر کاشمیری

کبھی جادۂ طلب سے جو پھرا ہوں دل شکستہ
تیری آرزو نے ہنس کر وہیں ڈال دی ہیں باہیں
مجروحؔ سلطانپوری

اُن کا ذکر، اُن کی تمنّا، اُن کی یاد
وقت کتنا قیمتی ہے آج کل
شکیلؔ

وہی کارواں وہی راستے وہی زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی تم نہیں کبھی ہم نہیں
شکیلؔ

ہر ایک عنوان دردِ فرقت ہے ابتدا شرحِ مدعا کی
کوئی بتائے کہ یہ فسانہ سنائیں اُن کو کہاں سے پہلے
شکیلؔ

یہی دن ماحصل ہیں زندگی کے
یہی جو دل کی نادانی کے دن ہیں

فضلی

پھر بھی دل کو بڑی اُمیدیں ہیں
گو بظاہر توقعات نہیں

فضلی

عشق ہوتا ہے خود بخود پیدا
عشق کے کچھ لوازمات نہیں

فضلی

میں تیرے درد کی طغیانیوں میں ڈوب گیا
پکارتے رہے تارے اُبھر اُبھر کے مجھے

ناصر کاظمی

پھر سرِ شام کوئی شعلہ نوا
سو گیا چھیڑ کے فسانۂ گل

ناصر کاظمی

ہم پہ گزرے ہیں خزاں کے صدمے
ہم سے پُوچھے کوئی فسانۂ گل

ناصر کاظمی

دل میں ہر وقت چبھن رہتی ہے،
تھی مجھے کس کی طلب یاد نہیں

ناصر کاظمی

کیسی ویراں ہے گزرگاہِ خیال!
جب سے وہ عارض و لب یاد نہیں

ناصر کاظمی

رشتۂ خیال تھا کبھی جس کا خیال!
اُس کی صورت بھی تو اب یاد نہیں

ناصر کاظمی

یہ الگ بات کہ غم راس ہے اب
اس میں اندیشۂ جاں تھا پہلے

ناصر کاظمی

ہم نے بخشی ہے خموشی کو زباں
درد مجبورِ فغاں تھا پہلے

ناصر کاظمی

کہتے ہیں فصلِ گُل تو چمن سے نکل گئی!
اے عندلیب تو نہ قفس بیچ مر گئی!

فغاں

ظالم تجھے قسم ہے جو اس کو جلا نہ دے
یہ دل کبھی دل نہ ہووے جو تجھ کو دغا نہ دے

فغاںؔ

قائمؔ آتا ہے مجھے رحم جوانی پر تیری
مر چلے ہیں اِسی آزار سے بیمار بہت

قائمؔ چاند پوری

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کرو گے
لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے

جعفر علی حسرتؔ

جو تیرے پاس سے آتا ہے میں پوچھوں ہوں یہی
کیوں جی کچھ ذکر ہمارا بھی وہاں رہتا ہے

سعادت یار خاں رنگینؔ

جی چاہے گا جس کو اُسے چاہا نہ کریں گے
ہم عشق و ہوس کو کبھی یک جا نہ کریں گے

کرامت علی شہیدیؔ

انگاروں پہ لوٹیں گے پر ان شعلہ رخوں کے
نظارے سے ہم آنکھ بھی سینکا نہ کریں گے

شہیدیؔ

اس کو کہتے ہیں وفاداری کہ بعد از قتل بھی
داغِ خوں ہو کر نہ چھوٹے دامنِ قاتل سے ہم
نسیم دہلوی

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے اِنہی اجزا کا پریشاں ہونا
برج نرائن چکبست

فرشتے آئے اگر لحد میں تو صاف کہہ دوں گا راستہ لو
جب اُسکی چاہت میں جان دیدی تو بات کہنے کو کیا رہی ہے
مضطر خیر آبادی

اور پھر کس کو پسند آئے گا ویرانۂ دل
غم سے مانا بھی کہ اس گھر کو میں خالی کر دوں
شبلی نعمانی

غیر کے گھر میں ہیں مہمان بڑی مشکل ہے
جان جانے کے سامان بڑی مشکل ہے
شبیر حسن نسیم بھرتپوری

وہ خود نہ آئیں نہ بلوائیں شکایت کیوں نہ لکھ بھیجوں
عنایت کی نظر مجھ پہ تو کم یُوں بھی ہے اور یُوں بھی
سائل دہلوی

امید ہے کہ کبھی تو لبوں پہ آئے گی
کبھی نہ آئی لبوں پہ ہنسی تو کیا ہوگا

فارغ بخاری

ہم لاکھ چاہتے ہیں نہ اُس شوخ سے ملیں
پر کیا کریں کہ دل ہی نہیں اختیار میں

امراؤ جان دلبر

کس قدر ضبطِ غم گوارا تھا
میری آنکھیں بھی ڈبڈبا نہ سکیں

عبدالعزیز فطرت

قفس کے اندھیروں سے مایوس ہو کر
چلا ہوں میں اپنا نشیمن جلانے

اختر

اس طرح جاں گزیں ہے دل میں ترا تصور
گویا لگی ہوئی ہے تصویر آئینے میں

عندلیب شادانی

بہت دنوں میں محبت کو یہ ہوا معلوم
جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی

فراق

فضا تبسّمِ صبحِ بہار تھی لیکن
پہنچ کے منزلِ جاناں پہ آنکھ بھر آئی

فراقؔ

ہم بھی آخر کو ضبط کر بیٹھے
کر چکے تیرا انتظار بہت

فراقؔ

آدابِ عاشقی سے بیگانہ کہہ رہی ہے
میری نظر مجھی کو دیوانہ کہہ رہی ہے

شکیلؔ

تو نے سوچا کبھی دامن کو بچانے والے
کچھ سکت ہاتھ میں ہوتی تو یہ درماں ہوتی

شکیلؔ

تیری محفل سے اُٹھ کر عشق کے ماروں پہ کیا گزری
مخالف اِک جہاں تھا جانے بیچاروں پہ کیا گزری

شکیلؔ

چمن پر بجلیاں منڈلا رہی ہیں
کہاں لے جاؤں شاخِ آشیانہ

شکیلؔ

یہ ڈوبتے تارے یہ افسردہ رُخِ ماہ
آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی
شکیلؔ

ہیں میرے دل میں وہ آہیں کہ جو بجلی نہ بنیں
میری آنکھوں میں وہ قطرہ ہے کہ طوفاں نہ ہوا
حوصلہ کس کو ہے دل چیر کے دکھلاؤں کسے
وہ شرر اس میں ہے جو سنگ میں پنہاں نہ ہوا
پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی

دل میں غمِ حیات کا طوفاں بپا رہا
اُمڈی رہی نگاہ میں برسات رات بھر
جمیل ہمدمؔ

یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا
کہ میرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی
غالبؔ

بصد خلوص گلوں سے یہ کہہ گئی شبنم
کسی کی آگ میں جلنا بڑی سعادت ہے
مشکور حسین یادؔ

وہ بھی دن تھے ڈھونڈتا پھرتا تھا میخانے کو میں
یہ بھی دن ہیں ڈھونڈتا پھرتا ہے میخانہ مجھے

حکیم جلیسری

پتہ تو چلتا ہے اس کا یہ میرا دامن ہے
مگر یہ ہو گیا کب دھجیاں نہیں معلوم

جوہر ڈبائیوی

شراب و جام سے کب دُور تشنگی ہوگی
نظر ملاؤ بڑی بندہ پروری ہوگی

صادق نسیم

نقاب اُلٹ کے اگر ساتھ چل سکو تو چلو!
سُنا ہے زیست کی راہوں میں تیرگی ہوگی

صادق نسیم

جو تیرے ہجر کی سختی کو سہہ کے بچ نکلے!
وہ تجھ کو پا کے مسرت سے مر گئے اے دوست

صادق نسیم

مقدر کی گردش سے گھبرا رہا ہوں
کدھر تھا ارادہ کدھر جا رہا ہوں

ارمان شاہجہانپوری

آگ اپنے ہی نشیمن کو لگا دی ہم نے
اور پھر شعلوں کو دامن سے ہوا دی ہم نے

سرور انبالوی

وجد کرتے ہوئے کونین نظر آئے ہیں
جب صبوحی کبھی ساغر سے بھڑا دی ہم نے

سرور انبالوی

فسانے جھوم رہے ہیں گلوں کے چہروں پر
مگر کلی کی زباں پر ہے بات سمٹی ہوئی

خلیل رامپوری

نہ بجلی ہے نہ خوفِ باغباں ہے
قفس بھی کیسا اچھا آشیاں ہے

نثار نوشہرہ

نگاہیں بزم میں پھر اُٹھ رہی ہیں کیوں تم پر
تمہاری بات ہے تم کو مگر نہیں معلوم

صبیر بدایونی

اب خود ہی جذبِ شوق کو ٹھکرا رہے ہو تم
حالانکہ میری جانِ تمنا رہے ہو تم

ساغر جھانسوی

ناخدا تو بھنور میں چھوڑ آیا
موجِ سیلِ رواں بہا لائی
شفیق اختر جالندھری

غنچہ و گل غمزدہ ہیں سنبل و ریحاں اسیر
اس جہانِ آب و گل میں آشنائی جرم ہے
رفیق تشنہ

جانتا ہوں حیا کے پردے میں
اک جوانی دُکھی دُکھی سی ہے
رفیق نوشہرہ

پیتے رہے بٹھا کے نظاروں کے سامنے
تاروں کے جام چاند کی مینا سنوار کے
عارف بٹالوی

فرصت نہیں جستجو کی ورنہ
تجھ سے بھی حسین تر ملینگے
منظور ناصری

جلوۂ یار سے کیا شکوۂ بیجا کیجے
شوقِ دیدار کا عالم وہ کہاں ہے کہ جو تھا
عابد

ساقیا ہے تیری محفل میں خداؤں کا ہجوم
محفل افروز ہو انساں تو مزا آجائے

عابدؔ

شوق سے خود جو میرے راہ نما ہوتے ہیں
میری قسمت کے وُہی آبلہ پا ہوتے ہیں

عابدؔ

یہی بُت شب کے اندھیرے میں جو ہیں طالبِ شوق
یہی بُت دن کے اجُالے میں خدا ہوتے ہیں

عابدؔ

محفل کو ناگوار تھی عرضِ شکستِ دل
محفل سے اُٹھ کے درد کے مارے چلے گئے

عابدؔ

کسی کے آسرے پر زندگی گزرے نہ گزرے گی
کسی کو زندگی کا آسرا کہہ دوں تو کیا ہوگا

عابدؔ

گھر کے گوشے میں تھے کہیں پنہاں
جتنے طوفان گھر سے گزرے ہیں

عابدؔ

چُپ بھی ہے ناگوار دُنیا کو
کون سُنتا جو بات ہم کرتے

عابدؔ

جام رُک رُک کے جو ساقی نے پلائے عارفؔ
خوب تھم تھم کے شرابی پہ جوانی آئی

عارفؔ بٹالوی

ضبطِ غم پر ہیں لوگ ہم سے خفا
کیا گزرتی جو عرضِ غم کرتے

عابدؔ

ہنسے گا اوٹ میں آنچل کی اُن کا چاند سا چہرہ
یہ تصویرِ چراغِ زیرِ داماں پھر بھی دیکھوں گا

عابدؔ

سکھایا تھا کبھی جن کو سلیقہ ضوفشانی کا
وہی ذرّے ستارے بن کے ہم پر مسکراتے ہیں

شفیقؔ کھلتولوی

خوشی کیسی کہاں کا انبساط و عیش کا عالم
بھرم رہ جائے تیرا اس لئے ہم مسکراتے ہیں

دانشؔ اعظم گڑھی

تیری بے اعتنائی پر تعجب کیا شکایت کیا
یہ دنیا ہے یہاں انساں کو انساں بھول جاتے ہیں
خاور لدھیانوی

نظر ملتی ہے لیکن دل سے دل ملتا نہیں اکثر
وہ خوش قسمت ہیں جن کو یہ تصادم راس آتے ہیں
نسیم میرٹھی

سوا کچھ اور بھی ہوتا ہے تھم کر دردِ دل مضطر
سمٹ کر اور بھی کچھ زخم دل کے پھیل جاتے ہیں
مضطر اکبر آبادی

اسے کیا ہمنشیں سمجھیں کہ کیوں روتے ہیں فرقت میں
جگر کی آگ کو ہم اپنے اشکوں سے بجھاتے ہیں
ڈاکٹر عاجز ہریانوی

دِلوں کی وادیاں ہر حال میں آباد رہتی ہیں
سہارے ٹوٹتے بھی ہیں سہارے مل بھی جاتے ہیں
اقبال سیفی

کچھ اہتمامِ فصلِ بہاراں نہ ہو سکا
دامن کبھی ہوا تو گریباں نہ ہو سکا
کرم حیدری

اُف یہ کیوں آنکھوں میں آنسو آ گئے
ہائے کیوں غم کی وضاحت ہو گئی
محمد یحییٰ عیش

کتنے خدا ہیں ایک خدائی میں ان دنوں
ہم بد نصیب سجدہ گزاروں سے پوچھئے
ساغر انبالوی

ہزار چاہا کہ رفتارِ وقت روکوں مگر
ہوا کا زور تھا ایسا کہ جل سکے نہ دیئے
اقبال سیفی

دل سے جاتا ہی نہیں تیری نگاہوں کا جمال
جام تو آئے ہیں گردش میں کئی عالم سے
شوکت واسطی

جہاں لُٹا تھا میری زندگی کا سرمایہ
دیارِ یار کی اُس رہگذر کا ذکر نہ کر
آثم کاشمیری

یہ چاندنی یہ ہوائیں یہ ساقیِ گل پوش
اب اور موسمِ دیوانہ گر کا ذکر نہ کر
شاہد رومانی

ہمارے قلب و نظر پر ہے کیف کا عالم
ہنوز تلخیِ شام و سحر کا ذکر نہ کر

سید محمد معصوم

یہ بات کم ہے کہ ہم خانہ سازِ گلشن ہیں
قفس کی بات نہ کر، بال و پر کا ذکر نہ کر

غیرت
اشفاق حسین

سحر کے آنے سے پہلے ہمیں نہ سو جائیں
ہمیں سنبھال طلوعِ سحر کا ذکر نہ کر

غیرت

ہمیں سکون میسر ہے ظلمتِ شب میں
ہمارے سامنے نورِ سحر کا ذکر نہ کر

تبسم رضوانی

دھرے رہیں نہ اے ساقی تمہارے جامِ شراب
جمالِ چشم و خمارِ نظر کا ذکر نہ کر

عارف بٹالوی

سب صبر و شکیب و ہوش کھو دیتا ہوں!
کرتا ہوں کسی کو یاد رو دیتا ہوں!

تبسم
صوفی غلام مصطفیٰ

اُمیدوں کا اِک جہان کر کے آباد
طوفان میں یاس کے ڈبو دیتا ہوں

تبسم

ہم اُٹھائیں نہ گر تیرے صدمے
آسماں کے تلے زمیں نہ رہے

تبسم

سمٹ گئی تمام کائنات اِک خیال میں
یہی خیال اب مِری تمام کائنات ہے

کرم حیدری

وہ گھٹا میکدے کی سمت چلی
ہم بھی ٹھنڈی ہوا چلے تو چلیں

ادیب سہارنپوری

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹتے ہیں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

نامعلوم

کتنی دلکش تھی کتنی رنگیں تھی
کوئے جاناں میں زندگی اپنی

ماجد صدیقی

وہ اور ہوں گے جنہیں تیری ذات سے ہے غرض
مجھے تو دوست تیری دوستی سے مطلب ہے

اختر ضیائی

ہوئے جب بھی رُو برُو ہم رہے درمیاں حائل
میری بیخودی کا عالم تیرے بے ہوش کا زمانہ

ربیعہ خاتون رزمی

تم تو طوفاں کی بات کرتے ہو
لوگ ساحل پہ ڈوب جاتے ہیں

نامعلوم

جب بھی آنکھیں ملیں اُن آنکھوں سے
دل نے دل کا مزاج پُوچھا ہے

اسرار الحق مجازؔ

ہائے انجام اس سفینے کا
ناخدا نے جسے ڈبویا ہے

مجازؔ

نُور ہی نُور ہے کس سمت اُٹھاؤں آنکھیں
حُسن ہی حُسن ہے تاحدِ نظر آج کی رات!

مجازؔ

تمہیں تو ہو جسے کہتی ہے ناخدا دنیا
بچا سکو تو بچا لو کہ ڈوبتا ہوں میں

مجاز

زخم ہوتے ہیں دنوں میں مندمل
اور صدیوں تک چلی جاتی ہے بات

ندیمؔ

اے چارہ گر فضول تسلّی نہ دے مجھے
مجھ سوختہ نصیب کو حاصل کہاں فراغ

ندیمؔ

دن رات ہولناک حوادث کی چھیڑ چھاڑ
اِس زندگی سے موت کی نیندیں گراں نہیں

ندیمؔ

اب برق کو ندیمؔ میری کیوں تلاش ہے
مدّت سے شاخِ گُل پہ میرا آشیاں نہیں

ندیمؔ

فریب دے کے زمانے کو ناخدائی کے
سمندروں میں سفینے بہا دئے تُو نے

ندیمؔ

یہ کہتے کہتے ستارے اُفق پہ ڈوب گئے
کہ اِتنا طول نہ دے دُکھ بھرے فسانے کو

ندیم

ناگاہ برق میرے نشیمن پہ آگری!
میں سوچتا رہا کہ میرا کیا قصور تھا!

ندیم

ہنگامہ مچ رہا ہے خیالوں کی بزم میں
تو نے دبی زبان میں جانے کہا ہے کیا

ندیم

مختصر یہ ہے داستانِ حیات
پھول ڈھونڈے ہیں خار پائے ہیں

ندیم

عشق کا یہ انداز نہ بھایا بجھے دیئے پہ کوئی نہ آیا!
لو کانپی تو چار طرف سے ٹوٹ پڑے لاکھوں پروانے

ندیم

میں اُن کو اپنی نگاہوں میں جذب کر لونگا
مجھے وہ اپنی تجلّی کے رُو برُو تو کریں

ندیم

کس کا کلِ مشکیں سے معطّر ہیں ہیر دوش
کہہ دوں مگر اس بات کا افسانہ بنے گا

ندیمؔ

شاید کہ ایک بار پلٹ آئے پھر کہیں
وہ زندگی جو مجھ سے گریزاں ہے آجکل

عیشؔ

غزل

نشے کو مے کی صورت جام میں بھرنا نہیں ممکن
مگر اُس آنکھ کی ہر کیفیت کے ترجماں ہم ہیں
ہمیں سے اکتسابِ سوز بھی کرتے تھے پروانے
تمہاری بزم میں تو شمعِ کشتہ کا دھواں ہم ہیں
اجل ہے یا ترا آغوش یا اُمید کی منزل
یہ کیوں ہم کو سکوں سا مِل گیا ہے یہ کہاں ہم ہیں
ہمیں سے باعثِ صد رشک ہو تم گلعذاروں میں
عروجِ داستاں تم ہو بنائے داستاں ہم ہیں
انہیں ضد ہے کہ مِلو ہم سے تہی بزمِ خیال اُن کی
مگر جب دیکھئے واں کاروانِ درکارواں ہم ہیں

شوکت واسطی ایم اے

میں سوچتا ہوں فریبِ وفا کے ماروں سے
تیرے غموں نے بھی کی دل لگی تو کیا ہوگا

جلیل ہمدم

تصوّر سارے عالم کو جو تیرا آستاں کر لوں!
مجھے حق ہے کہ وہ سجدے جہاں چاہوں وہاں کر لوں

کلیم جلیسری

بھٹکتی پھرتی ہے کمبخت دیر و کعبہ میں
ابھی جبیں کو ترا آستاں نہیں معلوم

جوہر ڈبائیوی

جو دُھندلا سا دل پہ ہے نقشِ محبت
یہی رہ گئی ہے تیری اِک نشانی

شوکت رضوی

مجھے حُسنِ برہم نے وہ غم دئیے ہیں
کہ تصویرِ غم ہے میری نوجوانی

شوکت رضوی

آنسو جو مچل کے فرقت میں کوئی سرِ مژگاں آئے گا
الزام محبت پر اپنی اسے دیدۂ حیراں آئے گا

شوکت رضوی

ٹوٹے گا فسونِ تاریکی اے دوست اُجالے نکھریں گے
پھر دل کی شمعیں جل اُٹھیں گی اِک اور بھی طوفاں آئیگا

شوکت رضوی

فسُردگیِ عشق بجلیوں کی زد میں آ گئی
مجھے اداس دیکھ کر یہ کون مسکرا دیا

فراق گورکھپوری

ترا وصال بڑی چیز ہے مگر اے دوست!
وصال کو مری دنیائے آرزو نہ بنا

فراق

تھی یُوں تو شامِ ہجر مگر پچھلی رات کو
وہ درد اُٹھا فراق کہ مَیں مسکرا دیا

فراق

رُکی رُکی سی لبِ شوق پر ہے عرضِ وصال
کہ پھونک دے نہ ترے زیرِ لب جواب کی آنچ

فراق

اے اُبھرتی ہوئی موجوں سے اُلجھنے والو
ڈوب مرنا کہیں بہتر ہے پلٹ آنے سے

باقی صدیقی

دلوں میں داغ محبت کا اب یہ عالم ہے
کہ جیسے نیند میں ڈوبے ہوں پچھلی رات چراغ

فراقؔ

کیا جانے دردِ عشق کی غیرت کو کیا ہوا
اتنا بھی بے نیاز وہ جانِ وفا نہیں

فراقؔ

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

فراقؔ

وہ کوئی واردات ہے جسکو کہیں کہ ہوگئی
درد اسی کا نام ہے جو شبِ غم اُٹھا نہیں

فراقؔ

نہ جانے عشق کے ماروں پہ آخر
کرے گا حسنِ فتنہ کار کیا کیا

جلال الدین جلالؔ

فسانہ کہہ رہے ہیں زندگی کا!
میرے دامن کے بکھرے تار کیا کیا

امر بدیمی

یہ سمجھ کر کہ زندگی تم ہو!
تم سے ہم رسم و راہ کر بیٹھے!

اسلم رامپوری

بڑے خلوص سے جس نے فریب کھائے ہیں
وہ میں نہیں میری بے لوث دوستی ہوگی

صادق نسیم

وہ ظلمتیں کہ ستارے جہاں بھٹک جائیں
وہاں نسیم کے اشکوں سے روشنی ہوگی

نسیم

خدا جانے اب اس کمبخت دل کا کیا حشر ہوگا
شب اُنکی بزم سے یہ سیکڑوں جلوے چُرا لایا

عندلیب شادانی

تہِ زلفِ سیاہ رہ رہ کے جنبش گوشواروں کی
اندھیری رات میں چشمک ہو جیسے ستاروں کی

عندلیب شادانی

رکھ لی تیری وفا نے محبت کی آبرو
میں اپنی آرزو سے پشیماں نہیں رہا

عندلیب شادانی

یہ جانتا ہوں کہ میں تجھ کو پا نہیں سکتا
ہر ایک سانس میں بڑھتی ہے آرزو تیری
عندلیب شادانی

رات کچھ ایسا تصوّر نے ترے بیخود کیا
ڈال کر اپنے گلے میں اپنی باہیں چوم لیں
عندلیب شادانی

خود سوچتا ہوں میں کہ یہ کیا ہو گیا مجھے
وعدہ نہیں کسی کا مگر انتظار ہے
عندلیب شادانی

بیدرد مجھ سے اپنا تصوّر بھی چھین لے
ہاں تیری آرزو کے بھی قابل نہیں ہوں میں
عندلیب شادانی

او بھول جانے والے تیری یاد کے نثار
اتنا بتا دے کیوں تجھے دل بھولتا نہیں
عندلیب شادانی

شعلوں سے کھیلنا ہے تمنّا کی پرورش
مَیں جل چکا ہوں تجھ کو ابھی تجربہ نہیں
عندلیب شادانی

کیا کروں آہ بُھلایا نہیں جاتا مجھ سے
وہی پیمانِ محبت جو تمہیں یاد نہیں

عندلیب شادانی

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا کہ مجھ کو فراموش کر دیا

عندلیب شادانی

تارے شفق میں چھٹکے تھے شبنم میں پھول نہایا تھا
وہ کتنا دلکش منظر تھا جب تم کو پسینہ آیا تھا

عندلیب شادانی

مجھ کو بھی اے دوست تیری بے نیازی کے طفیل
زندگی کی تلخیوں پر مسکرانا آ گیا

عندلیب شادانی

کس طرف چل دیئے ہیں دیوانے
کوئی منزل نہ منزلوں کے نشاں

عابد فاروقی

پوچھتے کیا ہو مسافر کا حال!
فاصلے بڑھ گئے منزل کے قریب

حقیقت نورانی

یہ بزم طرب ہے کہ ماتم کسی کا
نہ ساغر نہ ساقی نہ بادہ نہ مینا

ریاض خاور

غم تمہارا ہے کہ تم ہو دل میں
مجھ کو اکثر یہ خیال آیا ہے

زاہد الحسن زاہد

کریں کس سے کیا شکایت ہے یہ اپنی اپنی قسمت
مجھے ڈھونڈتے ہیں طوفاں تیرے ساتھ ہیں کنارے

ساغر

گلوں کی چاک دامانی پہ شبنم اشک افشاں ہے
اُدھر ہوتی نہیں ہے ضبط غنچوں سے ہنسی اپنی

سرور انبالوی

آج جی بھر کے تم کو دیکھ لیا
آج دُنیا نظر سے گزری ہے

خلیل رامپوری

دم توڑتے ہوئے سے چراغِ اُمید کو
لو دے گیا ہے صبح کا تارا کبھی کبھی

نثار

کوئی آنسو نہ بہہ سکا اختر
کیسے عالم میں اُن کی یاد آئی

اختر جالندھری

وہ آئے بزم میں اِتنا تو میرؔ نے دیکھا!
پھر اُس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ ہوئی

میرؔ

رہی فراغتِ ہجراں تو ہو رہے گا طے
تمہاری چاہ کا جو جو مقام ہوتا ہے

فیضؔ

تو مخاطب بھی ہے قریب بھی ہے
تجھ کو دیکھوں کہ تجھ سے بات کروں

فراقؔ

میری آنکھوں میں وفا ہے کہ نہیں
غیر سے آنکھ ملا کر دیکھو!

صادق نسیمؔ

بس ایکبار تیری سمت اُٹھ گئی تھی نظر
رہِ حیات سے گزرا ہوں سر جھکاتے ہوئے

نسیمؔ

وہ لوگ رہِ زیست میں یاد آئے ہیں اکثر
جن لوگوں نے دو چار قدم ساتھ دیا ہے

فضل الرحمٰن اشک

تیری جدائی کی تلخی نے جو اُٹھائے تھے
تیرے حضور بھی وہ درد کم نہیں ہوتے

نسیم

جو بھی آئے ہے وہ نزدیک ہی بیٹھے ہے ترے
ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں

نامعلوم

یہ بھی دل دُکھا گئے وُہ بھی دل دُکھا گئے
دشمنوں کا ذکر تھا دوست یاد آ گئے

صادق نسیم

رہِ حیات کے ہر اک حسین منظر پر
ٹھہر گیا ہوں کہ شاید تیری صدا آئے

صادق نسیم

پھیری نہیں ہیں اُس نے نگاہیں ابھی مگر
ہم پر نگاہِ گردشِ دوراں ابھی سے ہے

صغیر

عشق میں یہ بھی وقت آتا ہے
آنسوؤں کو چھپا کے روتے ہیں

رؤف ظفرؔ

دامن میں اشک لے کے جو کھولے چمن میں آنکھ
ایسی کلی کے سینے میں ارمان دیکھیے

عارفؔ بٹالوی

جب بھی احباب نے تسلی دی
بڑھ گیا میرے درد کا احساس
تجھ کو کھو کر یہ حال ہے میرا
جیسے خود بھی نہیں ہوں اپنے پاس

عبدالرحیم نازؔ

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

جگرؔ

کتنا حسیں سفر ہے کہ تُو ہمسفر ہے آج
منزل قریب آئی ہے گھبرا رہا ہوں میں

جگرؔ

لے گئے تیرے آستانے تک
اور میرے نصیب کیا کرتے
طارق سوہدروی

دیکھ کر اُن کو آہ کر بیٹھے
ہم یہ کیسا گناہ کر بیٹھے
اسلم رامپوری

دردِ نہاں نہاں سا ہے مانا کہ تم عیاں نہیں!
دل میں تو اک خلش سی ہے لب پر اگر فغاں نہیں
منصور تابش

صحنِ چمن سے باغباں تنکا اگر کوئی ہلا!
یا میرا آشیاں نہیں یا تیرا گلستاں نہیں
منصور تابش

یا برق گری ہے گلشن پر یا فصلِ بہاراں آئی ہے
صیاد خدارا دیکھ تو لے کیوں شورِ عنادل ہوتا ہے
منصور تابش

ابھی جنوں ہے کہاں انتہا کی منزل ہے
ابھی تو باقی ہیں دامن میں تار اے ساقی
تابش

عبرت انگیز ہے کتنی میری توبہ واعظ!
آنکھ بھر آئی چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

اسلم رامپوری

حاصلِ زیست جو ہے دیکھ لیا اے ساقی!
تیرے ہاتھوں سے گرا جام خدا خیر کرے

تابش

طوفاں سے تنگ آکر کشتی کا ڈوب جانا
تسکینِ غم ہے لیکن تکمیلِ غم نہیں ہے

احسن

مسجد میں بُلاتا ہے مجھے زاہدِ نافہم!
ہوتا جو اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے

امیر

یہ فقط عشق کا نیرنگِ نظر ہے ورنہ
مہ جبیں ہوتا ہے کوئی نہ حسیں ہوتا ہے

عارف سیالکوٹی

عشق کہہ جاتا ہے ہر بات بیاں سے پہلے
دل یہاں بولنے لگتا ہے زباں سے پہلے

عاصی کرنالی

رک سے گئے ہیں آنسو تھم سی گئی ہیں آہیں!
کس جانِ سحر خوشی سے جا کر ملیں نگاہیں!

جمیل ملک

خود کو بھلا کے دل نے جب بھی تجھے پکارا
بے اختیار ہو کر میں نے بڑھائیں باہیں

جمیل ملک

جی ہاں آپ تشریف لے جایئے!
جو گزرے گی ہم پر گزر جائے گی

امیر

فریبِ آرزو کی سہل انگاری نہیں جاتی!
ہم اپنے دل کی دھڑکن کو تیری آوازِ پا سمجھے

فیض

اِنہی لوگوں کے آنے سے تو میخانے کی عظمت ہے
قدم لو شیخ کے تشریف لائے بادہ خواروں میں

داغ

نہیں پانی تو میخانے میں اے شیخ!
جو کچھ موجود ہے لاؤں وضو کو

حسرت موہانی

قدم رکھنا سنبھل کر میکدے میں حضرتِ واعظ
یہاں پگڑی اُچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

نامعلوم

دیکھنا دیکھنا یہ حضرتِ واعظ ہی نہ ہوں
راستہ پوچھ رہا ہے کوئی میخانے کا

شکیلؔ بدایونی

پہلے تو آ کے شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر
پھر سر جھکا کے داخلِ میخانہ ہو گیا

امیرؔ مینائی

یہ میکدے نہ کہیں حادثوں میں آ جائیں
کہیں سے چاندنی لاؤ بڑا اندھیرا ہے

حافظ عنصر لدھیانوی

یہ میکدہ ہے حجاب و تکلفات سے دُور
کہ جس نے ہاتھ بڑھایا اُسی کا جام ہُوا

عارفؔ بٹالوی

مَیں عجب یہ رسم دیکھی کہ بروزِ عیدِ قرباں!
وُہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

مصحفیؔ

اب آپ آ گئے ہیں تو آتا نہیں ہے یاد
ورنہ کچھ آپ سے ہمیں کہنا ضرور تھا
ہری چند اختر

پیار کرنے کو جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے
میر تقی میر

یوں بھی ہوا ہے شوقِ تجسس میں بارہا
ہو کر گزر گئے ہیں تیرے آستاں سے ہم
اسلم رامپوری

بھڑک رہا ہے ابھی سے چراغِ آخرِ شب
اسے بھی صبح کا ارماں ہے دیکھئے کیا ہو
زہرہ نگار

یہ خیال کی امنگیں یہ دل و نظر کی قیدیں
میں کہاں ہوں یا الٰہی نہ قفس نہ آشیانہ
منور سلطانہ

کبھی عشق کو ابھارے کبھی حسن کو نکھارے
یہ ملی جلی کہانی یہ میرا تیرا فسانہ
منورہ سلطانہ

دھواں دینے لگے ہیں داغ دل کے
اندھیرا کر دیا ہے روشنی نے

ساحر صدیقی

ملے مجھ کو غم سے فرصت تو سُناؤں وہ فسانہ
کہ چھلک پڑے نظر سے مئے عشرتِ شبانہ

جذبیؔ

گِلہ میں جس سے کروں تیری بیوفائی کا
جہاں میں نام نہ لے پھر وہ آشنائی کا

میرؔ

تمہیں محفل میں اوروں کی طرح مجھ سے بھی ملنا تھا
جو تم شرما کے جھینپے بات پہنچی بدگمانوں تک

شوقؔ قدوائی

نہ پوچھو کس پہ مرتا ہوں یہ مُنہ پھیرے جو بیٹھے ہیں
اِنھی پر جان جاتی ہے اِنھی پہ دم نکلتا ہے

حسنؔ بھوپالی

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پُونچھئے اپنی جبیں سے

انورؔ دہلوی مرحوم

دیکھنا سوچ کر قدم رکھنا!
نقشِ سجدہ بھی رہگذر میں ہے

رسا بریلوی

سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

فانیؔ

جو بھی حاصل تیری محفل سے پہلے
اُسی خلوت میں جانا چاہتا ہوں

شکیلؔ

حسرتِ انساں ہے کہ بن جائیے فرشتہ لیکن
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا

شکیلؔ

یہاں تک جذب کر لوں کاش تیرے حُسنِ کامل کو
تجھی کو سب پُکار اٹھیں گزر جاؤں جدھر کو مَیں

حسرتؔ

منتظر ہے متاعِ جانِ حسرتؔ
کہ ادھر بھی وہ فتنہ گر گزرے

حسرتؔ

نہ جانے کتنی شمعیں گُل ہوئیں کتنے بجھے تارے
تب ایک خورشید اتراتا ہوا بالائے بام آیا

علی اختر

غمِ حیات نے آوارہ کر دیا، ورنہ!
تھی آرزو کہ تیرے در پہ صبح و شام رہیں

مجروح

میں اور تجھ سے ترکِ محبت کا کچھ خیال
مجبور کر دیا ہے غمِ روزگار نے

عارف بٹالوی

رندِ مے خوار کو ہے اس لئے توبہ کی تلاش
کہیں مل جائے تو کمبخت کے ٹکڑے کردے

ریاض

شناسا ہو گئے ہیں لوگ شاید دردِ الفت سے
زمانہ شوق سے کیوں سن رہا ہے داستاں میری

عارف بٹالوی

کہتے ہیں لوگ پانی بجھاتا ہے آگ کو
اشکوں سے دل میں آگ لگاتا رہا ہوں میں

عارف بٹالوی

تیرے غمِ فراق میں تڑپا ہوں اس قدر
شبنم کو اپنے ساتھ رلاتا رہا ہوں میں

عارف بٹالوی

نمی ہے دیدۂ شبنم میں چاک سینۂ گل
یہی سحر ہے تو ایسی سحر سے باز آئے

عارف بٹالوی

جہاں ہوئی پہلی ملاقات تم سے
وہاں کاروانِ سکوں لٹ گیا ہے

عارف بٹالوی

ڈالی نہیں ہے ہم نے نشیمن کی داغ بیل
اور بجلیوں کا ذہن پریشاں ابھی سے ہے

عارف بٹالوی

اترا نہیں سفینہ لبِ جو ابھی میرا
موجوں کے دل میں شورشِ پنہاں ابھی سے ہے

عارف بٹالوی

یہ دیوانگی ہے تیری ایک نظر پر
محبت کے کون و مکاں بیچتا ہوں

عارف بٹالوی

تم نے کیا کیا نہ وفاؤں کا دلایا تھا یقیں
تم تو دو چار قدم بھی نہ میرے ساتھ چلے

افضل مرزا راہبر

اُس شمع فروزاں کے ہوتے ہر سمت اندھیرا چھایا تھا
اُس وقت ہوئی محفل روشن جب آگ لگی پروانوں کو

شوکت رضوی

ہمیں نشے سے تعلّق ہے مے کیا مطلب
یہ شکر ہے کہ تصوّر تیرا حرام نہیں

فارغ بخاری

جس نے بھی دیکھا تیری آنکھوں کو
میری آنکھوں سے اس نے پیار کیا

فارغ بخاری

ابر بہار سے جگمگا اُٹھے شرارِ برق سے
یا فضاؤں میں تیرے آنچل کو لہرایا گیا

فارغ

تیری جنوں فروش نگاہوں کے عہد میں
وہ کون ہے جو چاک گریباں نہیں رہا

رضا ہمدانی

(س)

اے اہلِ دل بتاؤ کہ کوئی سیاہ بخت
گر ہو اسیرِ حلقۂ گیسُو تو کیا کرے

(ج)

گیسُو سے حشر تک تو رہائی محال ہے
بہتر ہے اپنے نالوں سے محشر بپا کرے
یا یُوں کرے کہ صاحبِ گیسُو کے واسطے
حق سے سلامتی کے لئے ہی دُعا کرے
شاید کہ رحم آئے اُسے اُس کے حال پر
صدقے میں اپنے گیسُو کے اُسکو رہا کرے

عطیہ خواجہ محمد حسن اختر لدھیانوی

دیکھنے کے لئے اُس آئینہ رُو کا جلوہ
آئینہ لے کے میرا دیدۂ حیراں نکلا
چھوڑ کر شاخِ گلِ تر پہ نشیمن اپنا
یوں گلستاں سے تیرا سوختہ ساماں نکلا

حکیم میر حسن علی خاں یمینؔ دہلوی

اشک آنکھوں میں اور دل میں شرر دیکھ رہا ہوں
برسات میں جلتا ہوا گھر دیکھ رہا ہوں
آ اے میری بے چین نگاہوں کے سہارے
مدت سے تیری راہگذر دیکھ رہا ہوں
رضا ہمدانی

چھپ کر تیری نگاہ سے تیری نگاہ ناز
کرتی رہی ہے مجھ کو اشارے کبھی کبھی
رضا ہمدانی

وہ آنسو جو بہہ نہیں سکتے
دل میں جا کر جم جاتے ہیں
رضا ہمدانی

ان کے جاتے ہی یہ عالم ہے کہ ہم
اجنبی ہیں آج اپنے شہر میں
رضا ہمدانی

دمک اٹھی ہے سیہ رات کی جبیں کیسے
یہ روشنی کہیں بجھتے چراغ کی تو نہیں
رضا ہمدانی

سفینے وہاں ڈوب کر پھر نہ اُبھرے
جہاں حوصلے ناخداؤں نے ہارے
رضا ہمدانی

نہ کوئی کیف نہ کوئی صدا نہ ہنگامہ
یہ زندگی ہے تو اس زندگی سے موت بھلی
رضا ہمدانی

دیکھو وہ عروس مے کھڑی ہے
مینا کا حسیں لباس پہنے
رحمان بابا

پرہیزگار حقیقت میں ہے وہی رحمانؔ
کہ جو گناہ پہ قادر ہو اور گناہ نہ کرے
رحمانؔ

ٹھہرو یہ جھڑی اشکوں کی تھم جائے تو جانا!
برسات میں یہ عزم سفر خوب نہیں ہے
رحمانؔ

طائر تازہ گرفتار ہوں میں یوں چپ ہوں!
مجھ کو تجھ سے جو محبت ہے تجھے کیا معلوم
اسلم رامپوری

غزل

جاگے ہوئے سے اور نہ سوئے ہوئے سے ہیں
کیا جانے کس خیال میں کھوئے ہوئے سے ہیں

ہنس بھی دیئے ہیں تیرے لئے تیرے دل فگار
دامن بھی آنسوؤں سے بھگوئے ہوئے سے ہیں

عیشِ بلا کشانِ محبّت نہ پُوچھیئے
غم کی گھنیری چھاؤں میں سوئے ہوئے سے ہیں

کیسے وہ ناخدائے محبّت ہیں اے خدا!
کشتی جو ایک دل کی ڈبوئے ہوئے سے ہیں

کانٹوں کے حُسن کا اُنہیں احساس ہو تو کیا
پھُولوں کے رنگ و بُو میں جو کھوئے ہوئے سے ہیں

کس کو یہ ہوش منزلِ مقصُود ہے کہاں
راہی ہجومِ یاس میں کھوئے ہوئے سے ہیں

سلمےٰ تیرے کلام کی توصیف کیوں نہ ہو!
موتی لڑی لڑی میں پروئے ہوئے سے ہیں

سلمےٰ ناہید

میرے دلِ سوزاں میں محبت کی تڑپ ہے
کونین کی ہر چیز کو تڑپا کے رہوں گی

سلمیٰ ناہید

قطعہ

غم کے احساس نگاہوں سے جھلک جاتے ہیں
اشک بھرا کے جو پلکوں سے ڈھلک جاتے ہیں
آنکھ بھر آنکھ ہے جس پہ نہیں قابو اسلمؔ
اچھے اچھوں کے بھرے جام چھلک جاتے ہیں

اسلمؔ رامپوری

قطعہ

تیری بیگانہ روی سے ہمیں مطلب کیا ہے
فرصتِ دید ملاقات پہ موقوف نہیں
ہم تجھے چاہتے ہیں چاہیں گے چاہے کچھ ہو
عشق تبدیلیٔ حالات پہ موقوف نہیں

اسلمؔ رامپوری

سجدوں کی رشوتیں ہوں فقط ذریعہ نجات
زاہد خطا معاف گوارا نہیں مجھے

مصطفیٰ الٰہی

وہ جو بن بلائے آتے تو کچھ اور بات ہوتی
کہیں آ کے پھر نہ جاتے تو کچھ اور بات ہوتی

جو بتوں کی یاد آئی تو خدا کو بھول بیٹھے
کہیں خود کو بھول جاتے تو کچھ اور بات ہوتی

یہ انوپ روپ غنچے جنہیں تم مسل رہے ہو
جو چمن میں مسکراتے تو کچھ اور بات ہوتی

ابھی آنکھ ہی ملی تھی کہ گرا دیا نظر کو
وہ یہ سلسلہ بڑھاتے تو کچھ اور بات ہوتی

سلمیٰ ناہید

سوزِ فراق کیا ہے غم انتظار کیا
اے ہم نشیں بتاؤں میں تفصیلِ کار کیا

ممتاز پروین

یہ کیا ہوا کہ رہائی کے دن قریب آتے
بلند ہو گئی دیوار قید خانے کی

منور سلطانہ

اب نہ کہیں نگاہ ہے اور نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی جلوہ گاہ میں

اصغر

کہاں خرد ہے کہاں ہے نظامِ کار اس کا
یہ پوچھتی ہے تیری نرگسِ خمار آلود
اصغر

خبر گئی نظر کے ساتھ ہوش کا بھی پتہ نہیں
اور بھی دُور ہو گئے آ کے تیرے حضور میں
اصغر

نالوں سے میں نے آگ لگا دی جہان میں
صیّاد جانتا تھا فقط مشتِ پر مجھے
اصغر

یہ حسن کی موجیں ہیں یا جوشِ تبسّم ہے
اس شوخ کے ہونٹوں پر اک برق سی لرزاں ہے
اصغر

سرمستیوں میں شیشۂ مے لے کے ہاتھ میں
اتنا اچھال دو کہ ثریّا کہیں جسے
اصغر

ہاں غمِ دل کی تیرے پاس دوا ہے تو سہی
درد کچھ تیری توجّہ سے ہوا ہے تو سہی
جلیل قدوائی

ادائے لالہ و گُل پردۂ مہ و انجم ہے
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے
اصغر

دل پہ لیا ہے داغ عشق کھو کے بہارِ زندگی
اِک گُلِ تر کے واسطے مَیں نے چمن لُٹا دیا
اصغر

شعاعِ مہر خود بیتاب ہے جذبِ محبت سے
حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پروازِ شبنم کی
اصغر

مست و بیخود ہیں مہ و انجم زمین و آسماں
یہ تیری محفل تھی جس کو رہگزر سمجھا تھا مَیں
اصغر

جوشِ شبابِ نشۂ صہبا، ہجومِ شوق
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو
اصغر

ہر ذرّہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا
یوں ہی نہ جانیئے میری مشتِ غبار کو
اصغر

اس جوئبارِ حسن سے سیراب ہے فضا
روکو نہ اپنی لغزشِ مستانہ وار کو

اصغر

اب تیری یاد میں رو لیتے ہیں
اتنی فرصت بھی کہاں تھی پہلے

سرور انبالوی

کوہکن کی وادی سے خوابگاہِ شیریں تک
کیسے کیسے غم دل کو دوستی سے ملتے ہیں

ساحر لدھیانوی

دکھاؤں داغِ محبت جو ناگوار نہ ہو
سناؤں قصۂ فرقت اگر برا نہ لگے

ناصر کاظمی

ہر چند زمیں ہے لیکن
تم ساتھ چلو تو آسماں ہے

باقی صدیقی

سحر بھی آئی تو لائی اُسی چراغ کی موت
جو ساری رات سسکتا رہا سحر کے لئے

مضطر اکبر آبادی

آپ کی اِک پرسشِ احوال سے
سارے غم بھولے ہوئے یاد آ گئے

نواب محسن اثر

شکن نہ ڈال جبیں پہ شراب دیتے ہوئے
یہ مسکراتی ہوئی چیز مسکرا کے پلا

عدمؔ

سرور چیز کی مقدار پر نہیں موقوف
شراب کم ہے تو ساقی نظر ملا کے پلا

عدمؔ

راہروِ راہِ محبت کا خدا حافظ ہے!
اس میں دو چار بڑے سخت مقام آتے ہیں

حافظ

غزل

تمہاری یادوں کو ہم نے دل میں بسا لیا ہے بُرا نہ مانو
غمِ محبت کو اپنا ایماں بنا لیا ہے بُرا نہ مانو
ہمارے ہونٹوں پہ اتفاقاً بکھر گئی ہیں پُرانی باتیں
شکستِ عہدِ وفا کا قصّہ سنا لیا ہے بُرا نہ مانو

ہماری پلکوں پہ آنسوؤں کے دیئے تو مدت سے جل رہے ہیں
ہجومِ غم کے طفیل کچھ مسکرا لیا ہے بُرا نہ مانو
غمِ محبت میں آج بھی ہم دل و جگر کو جلا رہے ہیں
غمِ زمانہ سے بچ کے دامن بچا لیا ہے بُرا نہ مانو
تمہارے جلوؤں کی آبرو کا خیال پیدا ہوا تھا دل میں
تمہارے جلوؤں کو ہم نے دل میں چھپا لیا ہے بُرا نہ مانو
جہان بھر میں کوئی بھی اپنے غموں کا محرم نظر نہ آیا
جہاں میں شوکتؔ نے تم کو اپنا بنا لیا ہے بُرا نہ مانو

عطیہ شوکت رضوی

آتشِ گل نہ بھڑک اُٹھی ہو صیّاد کہیں!
دیکھنا صحنِ چمن میں یہ دُھواں سا کیا ہے
بھیگی پلکوں کے ستاروں میں یہ سُرخی کیسی
چشمِ خاموش میں یہ رنگِ فغاں سا کیا ہے

عارف بٹالوی

بکھر گئے رُخِ روشن پہ گیسوئے مشکیں
بہم ہیں کافر و دیں دار دیکھئے کیا ہو

چراغ حسن حسرتؔ

اُمید تو بندھ جاتی تسکین تو ہو جاتی!
وعدہ نہ وفا کرتے وعدہ تو کیا ہوتا

حسرتؔ

جوانی مٹ گئی لیکن خلشِ دردِ محبت کی
جہاں معلوم ہوتی تھی وُہیں معلوم ہوتی ہے

حسرتؔ

یہ کس کے آستاں پر ذوقِ سجدہ مجھ کو لے آیا
کہ آج اپنی جبیں اپنی جبیں معلوم ہوتی ہے

حسرتؔ

جب بھی کھلتے ہیں مہکتے ہوئے گیسُو تیرے
ٹھنڈی ٹھنڈی سی جلن دل میں بسا دیتے ہیں

عدمؔ

اب آ ہی گیا ہوں تو پرہیز کیا
میرے جام میں بھی ذرا ڈال دو

عدمؔ

وہ آئینے میں ایسے محسوس ہو رہے ہیں
انگڑائی لے کے جیسے تصویر بولتی ہو

عدمؔ

دو بے خطا دلوں کو تکلیف دے کے نلحق
محسوس ہو رہا ہے شرما گیا زمانہ

عدمؔ

تکلیف دے کے مجھ کو محسوس ہو رہا ہے
پچھتا رہی ہے دُنیا شرما گیا زمانہ

عارفؔ بٹالوی

یہاں دل کو کچھ چین سا آگیا ہے
اُٹھے کون اب آپ کی رہگذر سے

عدمؔ

ہوئی شام تو دفعتاً یاد آیا!
بہت منہ اندھیرے میں نِکلا تھا گھر سے

عدمؔ

غمِ حیات پہ تھوڑا سا تبصرہ کر کے
غمِ حیات کو دلکش بنا گئے ہو تم

عدمؔ

قیامت نام جس کا رکھ دیا ہے!
تیری پازیب کی جھنکار ہو گی!

عدمؔ

مجھے جام بخشو اُسے ساز دو
کسی روز دونوں کو آواز دو

عدمؔ

قریب آؤ کہ دل میں بڑا اندھیرا ہے
قریب آؤ کہ گھر میں خدا کے ہو کچھ نورؔ

عدمؔ

اُن پہ پڑ ہی گئی نظر میری
حادثہ آج بے نظیر ہوا

عدمؔ

تصویر کھنچ گئی ہے بیداد زندگی کی
میں آہ کر رہا ہوں وہ مسکرا رہے ہیں

عدمؔ

تیرے آنے سے بھڑک اُٹھے تھے پھولوں کے مزاج
تو چلا ہے تو یہ برباد ہوئے جاتے ہیں

عدمؔ

اس جگہ تک میرے سجدوں کے مقامات ملے
جس جگہ تک تیرے قدموں کے نشانات گئے

عدمؔ

مسکرائے بھی کبھی ہم تو وہ ایسے ساقی
جیسے تفریح کے پیرائے میں غم لہرایا

عدمؔ

آج ہم سخت دل گرفتہ ہیں
آج ہم کو نہ چھوڑ کر جانا

عدمؔ

جھک رہا ہے جگر خدا کے لیے
دو گھڑی میرے لب پہ لب رکھو

(عدمؔ کا یہ شعر مجھے یوں پسند ہے)

اتنا بھی بارِ خاطرِ گلشن نہ ہو کوئی
ٹوٹی وہ شاخ جس پہ میرا آشیانہ تھا

آرزوؔ لکھنوی

اپنی زلفوں کے شبستاں میں سجا لے ان کو
پھول کچھ خوش نہیں تزئینِ گلستاں ہو کر

عدمؔ

ٹانک کر پھول کھلے مست گریبانوں میں
محوِ گلگشت ہیں معشوق گلستانوں میں

عدمؔ

تیری آنکھوں کے تذکرے ساقی
لے گئے کتنی دُور بات میری

عدمؔ

کوئی بتائے کہ اِس کیفیت کا نام ہے کیا
کہ آنکھیں بند ہیں اور نیند آ نہیں سکتی

عبدالعزیز فطرتؔ

ضرور اس پہ کوئی خاص راز فاش ہوا
بہار میں جو کلی مسکرا نہیں سکتی!

فطرتؔ

کر دیا میرے جنوں نے تجھے رشکِ لیلیٰ
اب میرا ہوش میں آنا تیری رسوائی ہے

عطیہ چوہدری نذیر احمد جہانگیر

آج کیا یوسفِ ثانی کی خریداری ہے
ایک بازار لگا ہے تیری دیوار کے پاس

بختؔ صحرائی

توبہ توبہ شیخ جی توبہ کا پھر کس کو خیال
جب وہ خود کہہ دے کہ پی تھوڑی سی اپنی میرے لئے

حفیظؔ جالندھری

آرزو، پھر آرزو کے بعد خونِ آرزو!
ایک فقرہ میں بیاں ہے داستانِ زندگی

حفیظ جالندھری

دیوانے ہیں لیکن ہمیں مجبور نہ جانو
مر جائیں گے لیکن تمہیں آواز نہ دیں گے

احسان دانش

دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہو گئیں

اقبال

کوئی کارواں تھا شاید جو گزر چکا یہاں سے
کہیں آگ جل رہی ہے کہیں راکھ سو گئی ہے

ساغر صدیقی

چھپا رکھے تھے میں نے اپنے غم دنیا کی نظروں سے
میرے غم میری آنکھوں سے نمایاں ہو گئے آخر

لطیف انور منور

وہ کیسے سنگدل تھے بات بھی مشکل سے کرتے تھے
سُنی جب داستاں میری تو گریاں ہو گئے آخر

منور

غمِ ایام نے مدّت سے نغمے چھین رکھے تھے
تری محفل میں آکر ہم غزلخواں ہو گئے آخر

مسعود

آ بدل ڈالیں حیاتِ زندگانی کا نظام
چل کے بازارِ جنوں میں عقل کو رُسوا کریں

عطیہ نذیر احمد جہانگیر

کچھ تو دے نور و ضیا کے مالک !
کوئی پلکوں کا ستارا ہی سہی
آگ دل میں تو لگا جائے گی !
آہ بجھتا ہوا شعلہ ہی سہی

عاصی کرنالی

خامشی بن جاتی ہے دِل کی زباں
لفظ جب ملتے نہیں مفہوم کے

عبدالکریم ثمر

بظاہر ایک ہی شب ہے فراقِ یار مگر
کوئی گزارنے بیٹھے تو عمر ساری لگے

احمد فراز

سوچ لو اس بزم سے اُٹھنے سے پہلے سوچ لو
یہ نہ ہو پھر دل کے ہاتھوں لوٹ کر آنا پڑے

احمد فراز

رسم چل نکلی عجب اب میکدے کی خیر ہو
ہے وہی جمشید جس کے ہاتھ پیمانہ پڑے

احمد فراز

نشۂ گیسوئے شب تاب کہاں
آنکھ کھل جائے تو پھر خواب کہاں

احمد فراز

اب تک ترے فتنے ہیں سلامت اسے کہنا
یارو سرِ محشر بھی قیامت اسے کہنا

احمد فراز

ان کی چمک بھی گھر میں اُجالا نہ کر سکی!
آؤ کہ مہر و ماہ کی شمعیں بجھائیں ہم
اب بار ہیں وصالِ مسلسل کے سلسلے
اب لوٹ جا کہ لذتِ ہجراں اُٹھائیں ہم

محسن احسان

اب کونسا چراغ سرِ چراغ لاؤ گے
خورشید بجھ رہا ہے ہوائے سحر کیساتھ
شاخِ مژہ پہ کھِل نہ سکے آنسوؤں کے پھول
جھونکے وہ غم کے آئے نسیمِ سحر کے ساتھ

محسنؔ احسان

اب کے کچھ اِس طرح زنجیرِ حوادث ٹوٹی
کوئی آواز نہ پہنچی ترے دیوانے تک

محسنؔ احسان

اب کہاں آئینۂ دل میں کوئی حُورِ جمال
لٹ گئے شہرِ تمنّا کے صنم خانے تک

محسنؔ احسان

سر پیٹتی ہے بادِ سحر اُن کی یاد میں
جو آرزو نے صبح میں جاں سے گزر گئے

ضیا رومانی

ابھی فلک کے اُجالوں کا تذکرہ نہ کرو
ابھی زمین ترستی ہے روشنی کے لئے

نورحسین عزیز

اِن میں شاید کسی دیوانے کا خوں شامل ہے
غنچے سے مجھے بُوئے وفا آتی ہے

غافل کرنالی

پھر وہ سُوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے
رنگ اُڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

غالب

جلوہ دکھا دیا طلب جلوہ چھین لو
ہم کیوں ہجومِ وہم و گماں بسر کریں

احسان دانش

ہو زلف کہ چشم مست نظر یا صبح نما رخسارِ بُتاں!
دیکھیں تو خیالوں میں اپنے کچھ شمعیں فروزاں ہو جائیں

عارف بٹالوی

اُداسی سے زلفیں نہ بکھرائیے
جو ارشاد کرنا ہے فرمائیے

عدم

ہنس دیئے وہ میرے گریباں پہ
موسمِ گُل کا ہو گیا آغاز

عدم

کس حسنِ دلبری سے شمعیں ہوئی ہیں روشن
پروانے کس ادا سے قربان ہو گئے ہیں
عدمؔ

وہاں تک میری اُلجھنیں خوشنما ہیں
جہاں تک تیری زلف کے خم گئے ہیں
عدمؔ

تکلفات میں تکلیف ہی نہیں ہوتی!
تکلفات میں کچھ بانکپن بھی ہوتے ہیں
عدمؔ

ہائے لرزش کسی کے بالوں کی
مجھ کو نغمے سنائی دیتے ہیں
عدمؔ

ترے عہد میں کون زندہ رہے گا!
شباب اور ساتھ اس کے شیریں کلامی
عدمؔ

دلوں کی آگہی موسیقیوں میں ڈوب جاتی ہے
نگاہوں کو وہ جب آلودۂ پرواز کرتے ہیں
عدمؔ

رُخ سے گیسُو ہٹا کے بات کرو
مہ وشو جگمگا کے بات کرو
عدؔم

یوں نظر ڈالیئے کہ عہد خزاں
آہستہ آہستہ بہار بن جائے
عدؔم

ایسے نظریں پڑیں عاشقوں کی
جل گئے آنچلوں کے کنارے
عدؔم

تیرے چہرے پہ شادابی ہے مے کی
تیری آنکھوں میں تاروں کی ضیا ہے
عدؔم

محبّت ایک کیفیت ہے تیری مست آنکھوں کی
محبّت کرنے والا قدرتاً مے خوار ہوتا ہے
عدؔم

مجھے تمہارے ستم ہی بہت غنیمت ہیں!
مجھے تمہاری مروّت سے کوئی کام نہیں
عدؔم

اُٹھایا جب اکیلے جام ہم نے
بڑی آہیں بھریں کل شام ہم نے
عدؔم

عدؔم ان کاکلوں کی نکہتوں میں
طبیعت چاہتی ہے خوب سو لیں
عدؔم

یہ سب کرشمہ ہے آنکھوں کی حسن بینی کا
خود آپ اپنی جگہ دل نشیں نہیں کوئی
عدؔم

نہ پُوچھ کس طرح شبنم کے گرم بوسوں سے
گلوں کے نرم کلیجے کباب ہوتے ہیں
عدؔم

آئندہ بدل جائے تو کچھ کہہ نہیں سکتے
اب تک تو عدؔم صُورتِ حالات وہی ہے
عدؔم

بغیر مے کے بہاریں اُداس رہتی ہیں
بغیر آپ کے موسم مزا نہیں دیتے
عدؔم

ستم ظریف ہے تجھے کیا خبر کہ لوگوں کو
تیرے حسین ستم کی بڑی ضرورت ہے
عدمؔ

مسکرا دو کہ طبیعت ہو شگفتہ میری
کثرتِ فکر سے دل تنگ ہوا جاتا ہے
عدمؔ

میں نے اک لمحہ ہٹائی ہے ادھر سے جو نظر
جام میں گردشِ ایام اُتر آئی ہے
عدمؔ

روشن ہے شمعِ حُسن کا بازار شام سے
پروانے جل رہے ہیں بڑے اہتمام سے
عدمؔ

ہزار بجلیاں آ آ کے ہو گئیں واپس
ہزار حادثے نزدیکِ آشیاں گزرے
عدمؔ

میری آنکھوں سے کچھ اس آنکھ کی یوں بات ہوئی
جیسے دو بادہ گساروں میں ملاقات ہوئی
عدمؔ

ہائے کتنے حسین ہیں وہ عالم
آئینے سے بھی کر رہے ہیں حجاب

عدمؔ

تم بھی دیوانہ وار پھرتے ہو!
تم نے بھی دل کہیں دیا ہوگا!

خاورؔ

تیری اس مسکراتی دنیا میں
کوئی میری طرح اُداس نہیں

رشید نازؔ

بہارِ گُل کے تقاضے شدید ہیں لیکن،
نہ ہاتھ ہے نہ گریباں ہے دیکھئے کیا ہو

شوکتؔ رضوی

چلن بہار کے اچھے نظر نہیں آتے
روش روش سے گریزاں ہر دیکھئے کیا ہو

عارفیؔ بٹالوی

شاید خلوصِ عشق یہ منظر بھی دیکھ لے
میں ڈوبنے لگوں تو ذرا مسکرائیے

عدمؔ

وہ میرے گھر سے جب ہوئے رخصت
روشنی گھٹ گئی ستاروں کی

عدمؔ

میں نے کبھی یہ ضد تو نہیں کی پر آج شب
اے مہ جبیں نہ جا کہ طبیعت اداس ہے

عدمؔ

جیسے کلیوں سے بھی پہلے صبا محسوس کرتی ہے،
بہاروں کی وہ پہلی گدگدی پہنچی ترے لب تک

قتیل شفائی

دہکتے رخسار شوخ نظریں جبیں عنابی ادا شرابی
انہی چراغوں کی روشنی سے میرے خیالوں میں روشنی ہے

عارف بٹالوی

مصور کھینچ کر تصویر ان کی
خدا ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے

عدمؔ

یہاں تک تو لگا لائے ہیں ہم رستے پہ واعظ کو
کہ سمجھاتا ہوا اب تا درِ میخانہ آتا ہے

نامعلوم

سُنا ہے شیخ نے بھی بعیتِ پیرِ مغاں کر لی
غنیمت ہے کہ بھولا صبح کا ہنگامِ شام آیا

نامعلوم

شریفِ مکہ رہا ہے کئی برس اے شیخ
یہ میرؔ اب جو گدائے شراب خانہ ہے

میرؔ

دُعا دیں گے میرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے ہیں میرے ساتھ منزل کے

نامعلوم

سامنے ان کا رُوئے مبین ہے کاش یہی ہو موت کی ساعت !
نیند بھی ہے آنکھوں میں غلطاں دردِ محبت بھی ہے کم کم

راج بلدیو راج

ہماری دیکھا دیکھی تم وفاؤں پہ نہ آ جانا
زمانے سے ہمیں کیا مل رہا ہے با وفا ہو کر

راج

ساقی تیری نظر کا اثر کون لے گیا
رندوں کے رُوبرو ہیں مے و جام ان دنوں

راج

ہیں دل سے ترکِ محبّت کے مشورے لیکن
تمہیں بھلا بھی سکوں گا؟ یہ اختیار نہیں
راج

عشقِ گستاخ کی غیرت کو کہاں موت آئی
ہائے وہ اور جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے
راج

اے میرے چاکِ گریباں سے بےخبر
تو بھی پھرے گا چاکِ گریباں میرے لئے
راج

بسا اوقات آغوشِ نظر میں تیرے ہوتے بھی
نہ جانے کس لئے تیری کمی محسوس کی ہم نے
راج

خوفِ پروانہ کا فطرت نے لیا یوں بدلہ
زندگی شمع کی اک رات سے آگے نہ بڑھی
شاہ ڈھاکہ

ہائے رے ظالم اثر چشمِ فسوں انداز کا
لوٹ کر میرا سکوں مجھ کو پریشاں کر دیا
عیش عثمانی

ذلیت کے مارے ہوؤں کو نیند سی آنے لگی
کس نے اِن پر سایۂ زلفِ پریشاں کر دیا

عیش عثمانی

حیرت یہ ہے کہ اہلِ چمن کو خبر نہیں
کس سمت جا رہے ہیں بہاروں کے قافلے

آغا صادق

راتوں کو میرے ذوقِ ترنم نے بار ہا
گاتے سُنے ہیں چاند ستاروں کے قافلے

آغا صادق

سو گئیں پیار کی حسیں یادیں
تیری زلفوں کی مست چھاؤں میں

غافل کرنالی

جفا کی راہ گزاروں میں مسکراتے ہوئے
وفا کی شمعیں جلانا کوئی مذاق نہیں

نامی قریشی

رات تو کاٹ لی تھی رو رو کر
قافلے لُٹ گئے اُجالوں کے

انوار فیروز

تمہارا نقشِ کفِ پا نظر نہیں آیا!
تمہاری راہ سے ہم بار بار گزرے ہیں

بدر کسر حدی

آئیں گے ہم جلائے ہوئے خون کے چراغ
جھلمل کرے گی راہِ وفا دیکھتے رہو

راہبر مرزا

حادثہ ہے کہ تیری آنکھ کا بھی
رنگ ہے اے دوست آسمانی

عدم

تُو نے کی گفتگو تو یاد آئی
دھیمی دھیمی کھنک ایاغوں کی

قتیل

جُھلستا ہے نظر کو جب ملائم سا کوئی نقشہ
ہم اپنے دل میں ٹھنڈی سی جلن محسوس کرتے ہیں

قتیل

اُف وہ نیند کے سائے نیم باز آنکھوں پر
بھر رہا ہو مے کوئی جیسے آبگینوں میں

قتیل

حسن ہے وہ پیمانہ جس کی ایک گردش سے
آدمی کا سایہ بھی لڑکھڑانے لگتا ہے
قتیلؔ

یوں تیرے بغیر اے دوست چاندنی چھٹکتی ہے
جیسے کوئی راہوں میں خاک اڑانے لگتا ہے
قتیلؔ

ہم تو رسوا تھے مگر اُن کی نظر بھی نہ بچی
ہم پہ آئے ہوئے الزام کہاں تک پہنچے
قتیلؔ

سُنے گا جب زمانہ میری بربادی کے افسانے
تمہارا نام بھی آئے گا میرے نام سے پہلے
قتیلؔ

سکوں ملتا ہے یوں تیرے تصوّر سے میرے دل کو
بھرے دریا میں جیسے پرتوِ مہتاب ہوتا ہے
قتیلؔ

پارہ پارہ کر دیا خود ہم نے دامانِ طلب
جب کبھی بھولے سے کوئی التجا ہم سے ہوئی
قتیلؔ

ہمیں تو موسمِ گل نے بھی کر دیا رُسوا
سنا ہے لوگ سلامت خزاں میں رہتے ہیں
قتیلؔ

ہر بات نکل جاتی ہے آنکھوں کی زباں سے
بول اُٹھتے ہیں رخسار پہ اشکوں کے نشاں سے
عارفؔ بٹالوی

ملی جلی سی کہانی سُنائی ہے ہم نے
کچھ اپنا ذکر کچھ اہلِ جہاں کی بات لکھی
عارفؔ بٹالوی

25

حرفِ آخر

مَیں نے ہر موضوع کو عنواں دیئے
زندگی کا کوئی عُنواں نہ مِلا

(عارفؔ بٹالوی)

اتحاد پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام شیخ وحید الدین پرنٹر چھپ کر شائع ہوا